

مفتاح الشورا

جسٹس صاحب



روپ پر اور دوسری گیٹ کے عین سامنے ڈالی جہاں دنیا
بھر کے پھرے کا اجتماع تھا۔
سلمان نے ٹرک کے پیچھے کمرے رکھے میں
بیمیں نکل کر اترنے کا اشارہ کیا جیسے وہ اپنی منزل مقصود پر
پہنچ چکے ہوں۔ نکل پھٹی، پھٹی نگاہوں سے سکون منزل
کے گیٹ کو دیکھے جا رہی تھی جیسے اسے اپنی نگاہوں پر
یقین نہ آ رہا ہو کہ واقعی سلمان نے اسے اپنے ساتھ

سامان سے بھرا نئی تنگ بلیک ٹریکٹر ٹالیوں کے
تپوں سے ہوتا ہوا ایک چھ منزل اونچی ساخوردہ عمارت
کے رنگ لگے گلے سرے لوہے کے گیٹ کے سامنے جیسے
ایک ہنگامی لیتے ہوئے جار کا۔ کچھ ایسی ہی حالت اس وقت
نکل کی بھی ہو رہی تھی۔ گیٹ کے باہر عمارت کی اونچی
دیوار کی پیشانی پر ”سکون منزل 1980ء“ سنگ مرمر کی
تختی پر کندہ تھا۔ اس نے ایک نظر سکون منزل کے رنگ

اس کی خود میں مگر میرے دیکھ کر کی گردان
ہتے ہوئے چنے سے سر سے تو اتاری کے ساتھ پھر
سے تو اتاری پھر اسی میں مگر ہو چکے تھے۔

اس نے ایک کھانا خود ہی کھولا اور پہلا نوالا
بنا کر جوئی اس کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی وہ جیسے
چوہہ کر ایک دم ہی ہوئی کی دنیا میں واپس آئی۔
”میں خود کھا لوں گی“ وہ نروٹے پن سے گویا
ہوئی۔ اور تیز چروں والی نہاری کے منٹکے چند نوالے
بقی نہر بار کیے۔ سلمان نے فالتو کھانا شارب میں لپیٹ کر
چکن کے سلیب پر رکھ دیا۔ غصہ دو چا آنکھوں اور سر پر
ڈالے سوئے کی اداکاری کرتے ہوئے کروت دوسری
طرف لے کر اس کے وجود سے مکمل طور پر جیسے بے خبر
ہو چکی تھی۔

سلمان اس کی پشت کی طرف دیکھتے ہوئے بکے
سے مسکرایا اور دوسرا ٹکڑے لے کر اس کے برابر میں ٹیم
دراڑ بیو گیا۔ وہ اکیسی ہی تھی، سائیس کھینچ کر جان لٹکے کا
تماشا دیکھتے والی اور اسے جان جہاں سمجھ کر جان
دار سے والی تھی۔ شعلہ و شبنم مزاج تھا اس کا اور اس کا
ہر روپ سلمان کو پسند تھا۔ کیونکہ اس نے بڑا ت خود
اسے اپنی مرضی سے چاہا اور ساری دنیا سے لڑ کر اسے
اپنا یا تھا۔ اس لیے وہ اسے بہت عزیز تھی، اس کی ہر
تکلیف سلمان کے لیے نوبان روح تھی۔

وہ ناشی میں کھینچ گیا جہاں کل اسے پہلی بار اپنے
دوست آیان کے ویسے میں تھی۔ اور غصہ بھی اس
وقت اس کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں
سوچ رہی تھی۔ اور گزرنے والوں کو یاد کرتے ہوئے
ایک بار پھر سے اس کے دل نے جیسے سسکی لی ایسی ہی
ایک سسکاری اس کے لبوں سے بھی گئی۔

سلمان کے ساتھ شادی کے بعد اسے لگتا تھا جیسے
زمین اس کے پاؤں تلے سے ہی نہیں اور وہ آسمان پر
چھین و سکن کے ہنر والوں میں پھول رہی ہے۔ اور کئی
جلدی وہ آسمان سے زمین کی پتیلیوں سے بھی نیچے گر گئی
تھی۔ اس کا کل بدن رونے سے ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔

سلمان کی آنکھوں میں لالی چمک آئی تھی۔ اس نے
واپس پر رانت جہاں اس کی بدن کی لڑش کو اپنی
انگلیوں کی پوروں سے تھکھیں کیا۔

اسے شدت سے سگریٹ کا کردار نہر دھواں
اپنے پیچڑوں میں بھرنے کوئی چاہا۔ جبکہ اس کی جان
جان کو اس دھوئیں سے اتنی ہی چڑھی۔ وہ اس کی
سگریٹ سے بیزاری کا احترام کرتا تھا۔ اس لیے کسی
اس کے سامنے اس نے یہ بیزاری نہیں کی۔ لیکن اسی
جیسے ہر چیز اس کے دماغ سے نکل چکی تھی، اپنی راجہ
جان کی طرف سے شکوے مسلسل ٹوک زباں پر آئے
کے لیے کل رہے تھے۔ وہ تو بڑے دھوئے کرتی تھی،
بڑے انداز سے اس کی آنکھوں میں بھانکتے ہوئے
شرح لگا ہوں سے شاعرانہ نروٹگی تھی۔

”میں ہر حال میں مسکراتا رہوں گا
تمہاری محبت اگر ساتھ ہو گی“
سلمان کا جی چاہا اسے جھنجھوڑ کر پوچھتے کہ تم نے تو
زندگی کی ہر مشکل میں میرے ساتھ مسکراتے کا عہد کیا
تھا پھر اب اس طرح شکایتی انداز میں رویوں رہی ہو؟
ایک ذرا سی آڑا پس سے تم نے اتنی جلدی حوصلہ ہار
دیا۔ تمہیں تو اللہ کی ہر مصیبت پر یقین تھا پھر راستے سے
امتحان کے آواز میں ہی ہمت چھوڑ بیٹھی ہو ابھی تو تم
نے زندگی ڈھنگ سے شروع ہی نہیں کی۔

”کیا خبر کوئی مجھ سے ہو جائے اور سب کچھ پھیلے
طرح ٹھیک ہو جائے۔“

اپنے اندر کی منتظر خیالی سے گھر اگر سلمان نے
بیٹھے، بیٹھے جب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ لائٹر سے
شعلہ لگا اور سگریٹ لال انگار بن گیا۔ کل جھنجکی لگی کی
طرح اس کے ہاتھ کی طرف چھٹی۔

”سگریٹ پیتا ہے ناں تو یہاں سے کہیں اور
چلے جائیں۔“ اس نے سلمان کے ہاتھ سے اس کا
گوہر قصود پھینکنے کی کوشش کی۔

”یہاں سے اور کہاں جاؤں؟ میرے سارے
راستے تم پر آکر ختم ہو جاتے ہیں۔“ سلمان نے اس کی
گلابی سوئی سوئی آنکھوں میں جھانکا۔

”پوہنہ۔۔۔ فنیول با تمیں، کھو کھلے دھوئے۔“ جہاں
وہ اتنی ہی تھی سے بولی گئی۔

سلمان نے سگریٹ سمجھا کر واپس سگریٹ کیس
میں رکھا۔ اور اسے بڑی نرمی سے اپنے بازوؤں میں
سمیٹ لیا۔ وہ جھنجکی لگی نے کی تیار ہی کر رہی تھی لیکن
ایک دم سیکل موم اور پھر چھوٹا سا بچہ بن گئی۔

”مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔“ اس
کے انداز میں جس جیسے اپنا پاں رگڑنے کی کسر پائی تھی۔
”میرے ساتھ بھی نہیں رہنا؟“ سلمان نے اس
کے بے ترتیب بالوں کو ماتھے سے پیچھے کرتے ہوئے
اسے بچہ یاد دلانے کی کوشش کی تو وہ اس کی شرت کے
کار کو پکڑ کر زور دھوڑے رونے لگی۔

”اتھان در امتحان تھا۔ سلمان کو اس میں سرخرو ہونا
تھا۔ آدھے گھنٹے بعد غروب دیکھنے اور دل کا غبار نکلنے
کے بعد وہ اس کا بازو آخری سہارے کی طرح تھامے
اپنے آسن میں کولہ سے پتے بڑے، بڑے سوچتی تھی۔
لیکن نیر سلمان کی آنکھوں سے دھوکہ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

آیان کی شادی میں کل نظامی کو سلمان گرد پڑی
نے پہلی بار دیکھا اور دیکھا ہی رہ گیا۔ اس میں سارا
کمال اس کی دیکھنے کی حس کا ہے۔ آنکھوں کو جو بندہ
بھلا لگے اس کے بعد باقی ساری دنیا اس کے قدموں کی
دھول برابر بھی نہیں لگتی۔ سلمان گلی پکڑ دیکھنے والا
نوجوان نہیں تھا۔ وہ اسے ایسی ہی تھی سو اس نے دل کا
حال کہنے میں دیر نہیں لگی۔ لیکن کل ہی پانچ نام کی ایک
تھی، بے باکی سے نکلے الفاظ میں کہہ دیا کہ ”مجھ سے
ظہر کرنے کی جرأت بڑی مہنگی پڑے گی اگر محبت
ہے تو سیدھے طریقے سے رشتہ بنیو۔“

اظہار ہر شرط بڑی آسان لیکن درحقیقت بہت
مشکل تھی کیونکہ کل کا تعلق ایک کھاتے پیتے خاندان
سے تھا۔ جبکہ سلمان نے حال ہی میں تعلیم مکمل کرنے
کے بعد اپنے ایک چھوٹے سے کاروبار کی بنیاد رکھی
تھی۔ کیونکہ کل کے والد بزرگوار کی طرح اس کے والد
لاکھوں کروڑوں کی جائداد کے وارث نہیں تھے۔ وہ

مقتضام المصنوع

ایک عام سے انسان تھے۔ اسکول کے چارپل کے
مہمے سے حال ہی میں ریتا کو ہوتے تھے۔ بیوی
منہ پر یکم دس سال پہلے ملک راہی عدم ہو چکی تھیں
شریک حیاتی کی دائمی جدائی کے بعد انہوں نے اپنے
بچوں کو مثالی تعلیم و تربیت دے کر بالا۔ ساری عمر
جلال کما لکھا۔ اور ان کی تمام ادا دین ہی اسی اصول
پر عمل پیرا تھیں۔ سلمان سے بڑے دو بھائی اور دو بی
چیں تھیں۔ چاروں شادی شدہ تھے۔ اس کی بڑی
بہن کھلی خالہ کی بیوی کی دوسری کو بچپن سے لڑن
جبکہ بڑے بھائی اس کی لگاؤ شادی کے بعد خالہ کی پہلے
نمبر والی بیوی کا طرہ پر چار کی اس کی محبت منقش پتہ پایہ
ہوا۔ بڑے بھائی اس کے بعد احمد نے بھی اپنے
سہرے کے پھول نکالنے میں دیر نہیں کی، اسے اپنے
والد اختیار گرد پڑی کے دوست کی بیوی کا پند آئی۔
گرد پڑی صاحب اولاد کے شادی پایہ کے فیصلوں میں
زبردستی کے قائل نہیں تھے سو بڑی خوش اسطوئی سے
بچوں کی پسند پر لبیک کہا۔ اب سلمان کا نمبر تھا کل پر
اس کا دل خدا تھا اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کے بابا
جان اس کی پسند کے راستے میں دیوار نہیں بنیں گے، وہ
فوراً رشتہ بانٹنے کل کے کھر کھچ جائیں گے۔ چارپل مسئلہ
اسے کل کی شملی تھا۔

کیونکہ آیان اس کا دوست رشتے میں کل کا کزن
تھا۔ اس لیے سلمان اس کے بارے میں ایک ایک
بات کا علم تھا۔ یہ دیر بھی اس کے دل میں تھا کہ نظامی
صاحب شاید اس رشتے کے لیے کسی صورت بھی راضی
نہیں ہوں گے۔ اور اس کا خدشہ درست ثابت ہوا۔
کیونکہ سلمان نے جب آیان کے دوست کی حیثیت
سے اپنا رشتہ بگھڑا تو نظامی صاحب نے فوراً سے بھی پیشتر
منع کر دیا۔ لیکن بھلا ہو آیان اور اس کی ساری شملی کا
جنہوں نے نظامی صاحب سے سلمان کے لیے ہاں بھلاوا
کر ہی دم لیا۔ سلمان نے کل کو جائز شرعی طریقے سے
حاصل کرنے کے لیے ایک طویل جنگ لڑی تھی اس لیے
اپنے متوقع سسر کی رضامندی کی وجہ سے بہت خوش تھا۔
اس کی ہزار مانا جانوں کے بعد شادی کی تاریخ

شادی کے بعد پہلی ملاقات میں سلمان نے مکمل کراچی وار واپس آگئے۔ مکمل بڑی، بڑی آنکھیں بھانڈے فرط حیرانی سے اس کی پہلی نظر کی محبت کی رام کھانی میں رہی۔ حال ہے جو وہ چھوٹی موٹی لڑکیوں کی طرح شرماتی ہو۔ سلمان کا دل تھا اس کی محبتوں کے جواب میں وہ بھی کچھ کہے۔

میں اس نے بڑے زور سے اپنی آنکھیں شہادت کا ایک نشان اس کی کلائی میں بڑے آرام سے چھو دیا۔

”سلمان صاحب آپ نے ہم سے محبت کا جو دعویٰ کیا ہے ناں۔ اس پر قائم رہے گا۔ ویسے میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ سے آپ کی طرح محبت پاگل بھی نہیں کروں۔“

”وہ کیوں بھلا؟“ شہیدہ صمدہ صمدہ تھا کہ جوشادی کی اولین سماعتوں میں محبت سے بھرے دل کو پہنچا تھا۔

”کیا مطلب اس بات کا؟“ اس نے ایک بوٹی تاول سے دل کو تکی دینے کی کوشش کی۔

”مطلب یہ کہ اگر کوئی آپ سے بے اندازہ محبت کرے اور پھر حاصل کرنے کے لیے آتش نرود میں کود پڑے تو دوسرے بندے کا کام ہے ناں کہ اسے حد سے بھی زیادہ محبت دے۔“ دوسری طرف سے باقاعدہ ڈانٹ کر کہا گیا۔

سلمان کے روم، روم میں سکون بھری غنڈیک اترنے لگی، مشام جاں میں اس عطریتز حسینہ کے قرب سے نشہ ساراری ہونے لگا۔

”میں منتظر ہوں۔“ اس نے بڑی عاشقانہ دل دلی سے کہا۔

”کس کا؟“ وہ گہن سی تھی۔

”تمہاری حد سے زیادہ محبت کا۔“ سلمان نے بڑے دل سے عرضی اس تک پہنچائی۔

مکمل نے اپنے خنائی ہاتھ کے دوسرے انگوٹھے کا ناخن بھی فراخ دلی سے حد سے زیادہ محبت کے ساتھ اس کی دوسری کلائی میں اتار دیا۔ سلمان کے بازو میں

رہے ہوئے۔ کلائی صاحب نے سلمان اور مختار گروہری کے گٹھ کے باوجود مکمل کو عاصی مختار دیا۔ پھر سلمان کے چار کمروں کے چھوٹے سے کمر میں کسی صورت جانے میں ٹھکرا رہا تھا۔

چار کمروں کے کمر میں وہ کمرے مکمل اور احمد کے پاس تھے، ایک کمر بڑی کی صاحب کا چھوٹا تھا۔ اور ایک کمر آنے جانے والوں کی مہمان نوازی اور دو شادی شدہ بیٹیوں کے لیے مخصوص تھا جو بیٹے دو بیٹے بعد ایک آدمی کے لیے رکھے آتی تھیں۔ اب جب سلمان کی ہونے والی دین کے مختار کا سامان آیا تو اس کے لیے مختار صاحب کو اپنا کرائی کرنا پڑا۔ اس کے بعد ڈرنک روم کو خالی کرنے کی باری آئی اور وہاں کا سارا فرنیچر باہر برآمدے اور اندر آؤر میں تقریباً مختار دیا گیا۔ سلمان اس صورت حال سے کس میں تھا۔

وہ اس وقت اچھا خاصا کار با تھا۔ اس کی اپنی چھوٹی سی فریج تک سبھی سے اچھی آمدنی ہو رہی تھی وہ آرام سے کراسے پر الگ کمرہ اور دو کمرہ تھا۔ وہ بانی کمرہ والوں کو اپنی جوتے سے حریف تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے اس نے دونوں بھائیوں سمیت بابا جان کو بھی اپنی اس تجویز کا بتایا۔ کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا۔

پس مختار گروہری چاہتے تھے کہ ان کے تمام بیٹے ایک کمر میں ایک چھت کے نیچے رہیں۔ عارضی طور پر انہوں نے سلمان کو آگ کمر میں رہنے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی اپنے کمر کی اوپری منزل پر اس کے لیے ایک آگ سے پورن کچیر کرنے کا عندیہ بھی دیا۔

یوں ہزار ہا دعاؤں کے بعد جس اس کے خوابوں کی دین حقیقت بن کر اس کی زندگی میں آئی۔

سلمان نے اچھے صاف ستھرے علاقے میں دو بیڑ روم کا کمر کراسے پر لیا تھا۔ مکمل کے آنے سے پہلے اس کا سارا فرنیچر بڑی خوبصورتی سے سلمان کی دونوں بھڑوں اور بھائیوں نے سیٹ کر دیا تھا۔ سوسائٹی زندگی میں قدم رھنے کے بعد کی طرح کی بھی مشکل نہیں ہوئی۔

باقاعدہ شراٹ پر چلی گئی۔ شہید کی خون کی بو نہ لیا کلائی میں ابھرا کی گئی۔

”بڑی خالص ہے تمہاری محبت۔“ سلمان نے پاس پر سے ٹھوہے پاس سے ایک ٹھوہے چکر لگا اور کلائی پر رکھا۔

”میں خود بھی کہیں۔“ کیا نشان ہے نازی کی تھی۔ وہ اس کے برابر انداز پر فدا تھا۔

☆ ☆ ☆

سلمان اپنی محبت یا کمر سرد تھا۔ مکمل پہلے اس کی نظر اس کی آرزو پر محبت اور اب زندگی کی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ شادی کے پہلے دن بعد جب مکمل نے پہلی بار اس کے لیے ناشتا بنایا تھا۔ تو وہ خود پس قدرنازاں ہوا تھا۔ اسے خود پر شک آ رہا تھا کہ مکمل اس کی جان چاہا اسنے ہاتھوں سے اس کے لیے اس کا من پسند ناشتا تیار کرنے میں مصروف ہے۔ سلمان نہادو کر بال ستوار کرنا شے کے انتظار میں کرسی سے کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اوپن کچن میں اپنے کام میں مکمل کی پشت اس کی طرف تھی۔ اس کے کمرے کے لیے شہد چنگ بال گردن سے اوپر کچر کی قید میں کئے ہوئے تھے، دو بچا اس نے اتار کر ڈانٹنگ مکمل کی کرسی پر ایک طرف لٹکا رکھا تھا۔ ڈانٹ کر مکمل کے لان کے سوٹ میں ملیوں متناسب بدن خواہ خواہ ہی اسے پھینکے پر اس کا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ پر چرچ مکمل کر کر رہا تھا۔ مکمل نے غصے سے اٹھانے دوسرے ہاتھ سے اٹھتے پر آیا کیا پسینہ صاف کرتی اس کے پاس آئی۔

ناشنے کی غصے جو کہ دھکی ہوئی تھی اس نے بڑے ادب کے ساتھ سلمان کے سامنے رکھی۔

”زندگی میں پہلی بار پراٹھا بنایا ہے اور ہاف فرائی اٹھا اچھے بالکل بھی پسند نہیں۔ پر کیا کروں آپ کو تو روز ناشتے میں کھانے کے لیے بھیجا جا رہے۔ لیکن کوئی بات نہیں، سلمان صاحب میں بنا دیا کروں گی۔“ اس نے پورے اعتماد سے بولتے ہوئے ناشتے کی نقاب کشائی کی تو سلمان نے حیرانی سے ناشتے کے نام پر مونے کھارے والے کچے کچے پراٹھے نما ٹھوہے اور ہاف

مضام المندور

فرانی اٹھنے کو دیکھا جس کی مکی دروی بیٹ شہید ایک طرف پڑی تھی اس بات کو فرانی نے جیسے نہ جانتا تھا۔

”یہ وہ ناشتا ہے؟“ اسے پراٹھین تھا مکمل کے کچے کچے ٹھوہے شہید آپ کے ساتھ خالی کر رہی تھی۔ اور ساتھ ہی وہ کھٹ سے بہت دور ہت کی میں ترخہ پراٹھا اور ہاف فرانی اٹھ اس کے سامنے بھرے لا رکھے کی گھنٹیں اس کا تھینا کتا پھینکے ہوا تھا۔

”کیا ہاں بڑے جیسے آپ کے لیے بنایا ہے“ سلمان صاحب، مجھے یہ پراٹھے دے اور ہاف فرانی بنائی نہیں آتی، مجھے کھانا پکانا بالکل بھی پسند نہیں لیکن میں آپ کے لیے سکھوں کی آئی پاس۔“ وہ صبح سے پاک بے راہروہ لیے اس کے ساتھ ہی دوسری کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

”جب مجھے اچھے سے کھانا پکانا نہیں آتا جب تک آپ کو میرا اس طرح کا تجربا نہیں کھانا ہر حال میں کھانا پڑے گا۔“ اسے مکمل خاموش دیکھ کر وہ دھڑک سے بولی۔

”وہ کیوں بھی؟“

”کیونکہ آپ نے مجھ سے محبت کی اور پھر شادی بھی۔“ جواب میں وہ سختی سے آرام سے بولی۔

”محبت کو سزا موت بناؤ میرے لیے۔“ وہ اسے پڑا رہا تھا۔

”محبت سزا کا ہی دوسرا نام ہے۔ آپ کو شاید نہیں معلوم۔“ اس کا اعتماد قابل دید تھا۔

اور اس کی ایک اداؤں کا تو وہ اسیر تھا۔

مکمل نے اس کے ساتھ جینے کر اپنا تیار کیا ہوا۔

”پاکیزہ ناشتا خود بھی کیا اور اسے بھی کروایا۔“ وہ اس کی تھی۔

دھوکوں دھکی زور زور سے اپنی منانے والی اور وہ خوش خوشی مانا تھا۔ کیونکہ اسے علم تھا مکمل کی زور زور سے اس کی بے پناہ محبت کا ہی دوسرا روپ ہے۔

اور سلمان کو اس کے سارے روپ دل و جان سے قبول تھے۔

☆☆☆

”ہاں اس کے ہاں جو بھی بھلا کوں لکھ لڑا کے
 ساتھ اپنے اگے فوج اسٹارٹ ہنڈم بیٹے کی شادی کر
 سکے ہے جسے جادو اور جیب اور جیب پر اسرار علوم سے
 دیکھیں جو اور جو اپنے منہ سے اپنے دھننے کے لیے
 آئے، انہوں سے یہ سب کھینچ لیں۔ جسے دن سے زیادہ
 کا رات بھر ہندو جو جملہ طاقت کا نگارہ کرتا جا رہی ہو۔“
 جیسے کہ لڑنے کے آخری حصے پر لڑنے کی آواز سرگوشی
 میں آ رہی تھی۔

”بہت کالی رات ہے آج سلمان صاحب، گلگت
 ہے بھولیاں کر رہیں گی۔“
 ”اور بھرا بادل بھی برس کے کھل کر وہ بھی وصل
 کے۔“ سلمان نے اس کی آواز کا رے کے تباہت میں
 آخری کس بھڑکی تو اس نے منہ لٹکا کر اسے دیکھا۔
 ”کیا ہے سلمان صاحب، سارا غیہ خراب کر
 دیا۔ مجھے وارد مودی بہت پسند ہیں اور ناول بھی، پر
 مودی میں اس کے نہیں دیکھ سکتی۔ ڈر لگتا ہے ناں۔“
 ”بہت بہادر تو رہتی ہوتی ہو دینے اور وارد مودی
 نہیں دیکھ سکتیں“ سلمان نے اس چرائے والی نگاہوں
 سے اسے دیکھا۔

”آپ کو تو روز دیکھتی ہوں۔ بڑول تو نہیں ہوں
 میں۔“ وہ کہنے سے اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں بولی۔
 ”مگر کچھ کر دیکھتے ہیں کہ کتنی بہادر ہوں۔“ سلمان
 نے اس کی سن مٹی صورت کو بڑی فرمت سے دیکھا۔
 ”خود راز جو زبردستی کا روٹاںس جھاڑنے کی
 کوشش کی میرے ساتھ۔“ غلج کا انداز ایک دم
 جارحانہ ہو گیا۔ وہ نگاہوں میں آگ کی سی شیش لیے
 دروازے کی طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ گاڑی کا شیش اس
 نے اوپر چڑھا دیا۔ اس کے چہرے پر غصہ اور خفگی
 نمایاں تھی۔

میرزاں اور بلکے گھر کے تقاسم سے ملے براہِ ڈ
 سوٹ میں لمبوں اپنے شہر گنگے بالوں کے ساتھ وہ
 دیکھنے والی چیز نگہ رہی تھی۔
 ”تم جوں گئے ہو تو یہ گم رہا ہے یہ جہاں ل
 گیا۔“ سلمان اسے چھیلنے والے انداز میں نگہانے

لگا۔ غلج نے دو چار سر پر بھر سے ٹپک کیا اور اپنے کچلے
 بال پیچھے کرنے لگی۔

سلمان کے لب اس حد درجہ احتیاط پر بھر سے
 مسکرائے گئے۔

اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ راستے میں
 ایک ڈبلی سرک پر غلج نے جب کار روڑ توڑا اور اسے
 ایک دم گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔
 ”روکیں پلیز سلمان صاحب۔“ سلمان نے
 اسے یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شہرہ ہو۔
 ”یہاں اس اندھیری سڑک پر کیوں روکیں؟ کیا
 ہو گیا ہے نہیں ویران ہے آباد علاقہ ہے۔“ سلمان
 نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی فرمائش پر غلج کر ڈالا۔
 ”اسی لیے تو روکنے کو کہا۔ دیکھیں اس پر لکھ کے
 درخت کو۔“ غلج اس کے سوچنے کھینچنے سے پیشتر ہی اپنی
 طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتری تھی اور اب موبائل
 فون کی تاریخ آن کے ایک پرانے درخت کو بڑے
 شوق سے دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو پتا ہے ان پرانے قدیم درختوں پر ان
 آسیب کا تیرا ہوتا ہے جو۔۔۔“ سلمان نے فوراً اس کا
 ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کے احتجاج کو خاطر
 میں نہ لاتے ہوئے اسے گاڑی کی آگلی سیٹ پر بٹیکل
 قلم بٹھا دیا۔ اور فوراً گاڑی اسٹارٹ کر کے وہاں سے
 نکلا۔ آج کل حالات ویسے بھی اچھے نہیں تھے اور یہ روڈ
 خاص طور پر چھرا پٹیوں کا پسندیدہ مرکز تھی۔ وہ غلج
 اپنے ساتھ موجودی میں ایسی کئی بھی پتھروں میں پھنسا
 نہیں چاہتا تھا جس کے بعد اسے کوئی پریشانی اٹھانی
 پڑی۔ اس کی روٹی شکایتی صورت کو نظر انداز کرتے
 ہوئے وہ اس روز بٹیکل دس منٹ میں میں منٹ کا سفر
 طے کر کے گھر پہنچا تھا۔

سلمان نے گزرتے دنوں کی پرچھائی کو جیسے
 سگریٹ کے دھوئیں میں چھپاتے ہوئے اپنے آپ
 میں کئی سو کی بڑی غلج کو اسرہ لگا ہوں سے دیکھا اور
 اپنا بازو بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ بالکل اس
 طرح جیسے وہ اسے دنیا کی ہر مشکل سے بچا کر صرف

اپنی پناہ میں رکھنا چاہتا ہو۔ خند ہی خند میں وہ لگا سا
 کسمالی۔ اس کا غلج ناول رواں دواں تھا۔ غلج کی
 آواز ایک بار بھر کرے کی خاموشیوں میں چلنے لگی۔
 ”میں ہر حال میں سکرانارہوں گا۔ تمہاری بہت
 اگر ساتھ ہوگی۔“

”ہاں میں تمہارا ساتھ میرے لیے بہت ضروری
 ہے۔“ سلمان نے سوئی پڑی غلج کے ماتھے سے اس
 کے بے ترتیب بال پیچھے کیے۔ ایک طاقت سی جیسے اس
 کے اندر اتری تھی۔

اسی سے بہت کچھ چھن چکا تھا۔ لیکن وہ تو اس
 کے پاس تھی۔ وہ نقصان سوز زبیاں سے محفوظ تھا۔ وہ
 اس کے ساتھ تھی۔ اس کی کل مال ستارح۔

سلمان نے اس کے برابر پڑا دوسرا ایک سیدھا سا
 اور پرسکون ہو کر دروازہ ہو گیا۔ سوئی کل کا ایک ہاتھ زہری
 سے تمام کر اس نے اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔ جانفزا
 طمانیت بھرا احساس تھا۔ وہ اس کی پناہ میں اس
 کے ساتھ ہے۔

اس کی آنکھ گہری کے شہید احساس کے ساتھ کھلی
 تھی۔ فوراً سے بھی پیشتر اس کی خند غائب ہو گئی اور وہ
 اپنی جھٹی دنیا میں دایں آ گیا۔ چھت والا چھلکا ہارک
 چکا تھا۔ سلمان نے فوراً بیل پڑانے پر ایرو دیکھا۔ کل نہیں
 تھی۔ وہ کرے میں بھی نہیں تھی۔ لیکن چھوٹے سے
 کچن کی طرف سے چائے پکھنے کی مخصوص جھک بتا رہی
 تھی کہ وہ وہاں ہے۔ اس نے بیڈ سے اتر کر کڑکی پر
 پڑے پردے پر کھائے۔ سمندر کی ہوا اپنی نازل رفتار
 سے چل رہی تھی، اس لیے بند کرے میں چھلکا بند
 ہونے سے جو اچانک کھن پیدا ہوئی تھی۔ ختم ہوئی
 دکھائی دے رہی تھی۔

سلمان نہا جو کر کرے سے لگا تو غلج ماتھے سے
 پسینہ پچھتے پچھتائی ہوئی سی جانے دوگوں میں ڈالے
 ٹیکری سے ماتھے کرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس
 تیسرے کرے میں ٹیکری کی وجہ سے لائٹ جانے کے
 بعد وہ دونوں فوراً اصر کارخ کرتے تھے۔

منہاج المصنوع

”یاد رہی کہ تیراں ہیں جناب کی۔“ سلمان ا
 شوش لکھ میں کیا کیا اشارہ اس کے بغیر اظہار کیا کرے
 جانے لائے کی طرف تھا۔

”اسب لائٹ کے اظہار میں کون دو گھنٹے انتظار
 میں بیٹھے۔ ویسے بھی سب کچھ ہی کر رہا ہے۔“ غلج
 کوشش کے ساتھ ہی سب سے پہلے سے غلج کی تماثلات کو
 روک نہیں پاتی تھی۔

انہیں اس سے گھر میں شفت ہوئے ایک ہفتہ
 چوسنے کو آیا تھا۔ غلج، جس نے اپنے باپ کے گھر میں
 کئی کل کر پائی تھی بھی بنیا تھا۔ روز اس کا واسطہ
 نہ تھی پریشانیوں سے پر تھا۔ وہ پہلے کے ماحول
 سے ابھی تک ناخوش ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ سلمان
 نے اس ایک ہفتے کے دوران غلج کے سارے دکانہ
 میں لکھ کر دیکھا کہ وہ کھلے گوائے جان میں بھونسا دودھ بزرگا
 چل رہا تھا۔ اور اس کے بعد کھانے پینے کا سارا
 سامان غلج کو لگا دیا۔ فروغ میں گوشت کے ساتھ
 سبز یاں دودھ اور غلج کی پسندیدہ آئس کریم بھون کے
 ڈبے اور کولڈ ڈرنک کی بوتلیں بھی کھینکے باجے تھیں
 منزل پر رہائش کی وجہ سے اس کا بار بار چھوٹی سوتلی
 چیزوں کے لیے چڑھا تاڑ بٹیکل تھا۔ ساتھ اس کے
 آئس مکانات کا دھکی پلے سے بڑھ گئے تھے۔ اس لیے
 اس نے جیسے تیسے کرے بھر کر سارا سامان اور دیگر
 سامان لگا کر غلج کو دے دیا تھا۔

پلاٹک کی کارخانے سازگی کی بائنی میں اس نے
 آکا اور دوسرے چھوٹے ڈبوں میں سب دایں، چھتی،
 پتی اور خشک سالے محفوظ کر کے رکھے تھے۔ شکلات
 نے سلیڈ اور بھجور دی گئی کھما دی تھی۔ بھر سٹائی پسند تو
 وہ خرزدے سے ہی تھی، سو گھر آکر آرام سے سمیٹ گئی
 تھی۔ باہر سے یہ بلڈنگ جیسی بھی دکھائی نہ لگنے اپنے
 گھر کو خوب صاف ستھری حالت میں چلی بار بھجوا دیکھا تو
 اس کے دل پر جیسے گھنسا سا لگا۔

”کیسے کرو گی؟ سب؟“ روپے دوہم بعد میں کوئی
 مای دیکھ لیں گے، عام علاقہ ہے سنا ہے یہاں ہزار

انکو ۳۰ سو سو سال کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے۔
 صلوات ہے اسے ۱۷۸۶ء تک ۹۹ سال تک۔

ہوئے غراب سے گیلری والے کمرے میں کھرم

[illegible]

www.pearson.com



دوسرا حصہ

مفتاح الشور

نبیلا ابرار احبا

باہر کا دروازہ بند کرنے کے بعد وہ مسکراتی ہوئی
واپسی پٹی تو سامنے سینے پر ہاتھ باندھے سلمان اس
کے سامنے کھڑا تھا۔ ”پہلی گلی تمہاری دوست، ویسے
ایک بات کہوں بڑی فریٹش، فریٹش اور خوش دکھائی
دے رہی ہو، کہیں اس کا سبب ابھی ابھی جانے والی
ہستی تو نہیں؟“ سلمان کا اندازہ سو فیصد درست تھا۔
”ہاں ابھی لڑکی ہے ویسے یہ فریال۔“ نمل نے
خود سے چھ سات سال بڑی چار بچوں کی ماں کو بڑے
مزے سے لڑکی کے خطاب سے نوازا۔ ویسے بھرے
بھرے مناسب جسم اور روشن چہرے کے ساتھ وہ اب
بھی لڑکی ہی نظر آتی تھی اور نمل بڑی روانی سے اس کے
بارے میں اظہار خیال کر رہی تھی۔
”آج بڑے دنوں بعد تمہارے چہرے پر ہنسی دیکھ
رہا ہوں۔ یقین کرو ترس گیا ہوں اسی خوش باش، خوش
ہوا امہ! لڑکا، گیارہ سال کا ہے۔“

جلد 22

مضام الشہور

آئی ہیں۔ "مطلوبہ اس طرح کے ملائے میں ہمیں بارہو
"تو تم اور تمہارا میاں یہاں کیوں آ گئے؟ میرا
مطلب ہے کسی اور ایسے ملائے میں جی تو جانتے تھے۔"
فریال نے اس کے چہرے کا بدل کر دیکھا تو بڑا ابل گیا۔
"یہ علاقہ تمہارے کسی نازک شہزادی کے رہنے
کے قلعے کی طرح ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو ہوا ہے جو تمہیں
یہاں آنا پڑا۔" فریال کا مشاہدہ بڑا گہرا تھا۔ اب بھی
اس نے جو کچھ کہا تھا حرف پر حرف درست تھا۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میری قسمت یہاں
لے کر آئی ہے مجھے۔" فریال کا لہجہ عام کسی پر عام لہجے
میں کی گئی بات عام ہرگز نہیں تھی۔

فریال کی ساری حیات سمیت اس کی طرف متوجہ
تھی جس اس سوال پر کم سے کم دیکھتی رہی۔

موسم سرد اور کراؤ تھا۔ آسمان بالوں سے ڈھکا
ہوا تھا۔ سلطان سرمنہ لپیٹے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس نے وہ
تھوڑا بڑا راضی سا تھا، اس کا خیال تھا وہ آگرا سے منائے
گی سواری کو گیسٹ کی پیش ترسے کرے گی لیکن اس کی
خواہش فدا حسرت، حسرت رہی، اس نے بیکہ دم کا
دور ازہ بھول کر ایک بار بھی نہیں پوچھا، وہ ابھی سوچ ہی
رہا تھا کہ ایک دوڑ کی آواز سے دور ازہ مٹا، سلطان
اس سے پہلے کہ کھل منہ سے سر کا کر دیکھا اپنا کھل سے
نکل اس کے اوپر سے بھٹک کر ایک طرف پھینکا گیا،
دوسری تہی تھکی۔ "یہی زیادہ جارحانہ تھی۔"
"ابھی سلطان صاحب جلدی کریں موسم اچھا تھی
تھا تاہم اب اس سے بڑا ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟" سلطان کی پوری کوشش تھی کہ
اس کے لہجے میں اس کے کوئی جذبات چھپنے نہ پائیں۔
"بھٹک کر گریں کہیں باہر چلتے ہیں۔ میرا بڑا دل کر
رہا ہے کہ اس سیرج ہوا میں باہر کی گھاس جاؤں۔"

اس کے شوق کی ایسی تھی۔

"جس میں ناں پلے۔" وہ دلی کریم کہیں ایسا نہ

"اچھا تم جاؤ جا کر مہمانوں کے پاس بیٹھو، میں
جاؤں اور مانی سب تیار کر دوں گی۔" اس نے بڑی
تعلقی سے اس کے ہاتھ سے ہتی کا مار لیا۔ ذرا
سی دیر کے لئے اسے عجیب سا ضرور کی ٹھیک فرما دی پھر
بڑا ہل ہوئی لیکن فریال کی پیش کی گئی خدا سے بیکار
ہی تھی۔ "جلدی واپس چلے گئے۔" عازنہ اور
فریال نے توجہ سے دیکھا کہ کچھ نہیں لگا پائیں دونوں
نے سب آدھا آدھا کٹر کر چھوڑ دیا۔ یوں لگ رہا تھا
وہ سب مارے بندے یہاں آئے ہیں، ایک رسم
بجائے بھڑکی پوری کی ہے پر اس کی دل میں کسی
پرگانی کو چھینٹیں دینا چاہی۔

وہ ابھی تک دل سے ان بڑے حالات کو قبول
نہیں کر پائی تھی اور وہ تو پھر سلطان کی بھانپاں میں،
انہیں کیا پڑی تھی کہ رشتہ۔ پھر وہ دونوں بچوں کو بھی
ماتھے نہیں ملانی تھیں اس لیے واپسی میں انہوں نے
بڑی جلت دکھائی، لیکن بڑھتی ہوئی کسی لہجے میں ان سب کے
آنے کی وجہ سے کافی خوش تھی۔ فریال نے حسب
عادت کر کے، گریہ کران ماروں کے بارے میں پوچھا،
وہ بڑا ڈانٹا انھوں نے اس کی بیٹھانوں کا پیرتا اور
جس جیت چھڑی دیکھی تھی پھر ان کی واپسی پر
بہانے سے ٹکری سے باہر جھانک کر اس نے اپنی
آنکھوں سے دونوں جوڑوں کو دو مختلف سنے ماؤلی کی
اگ، انگ کاروں میں بیٹھ کر جاتے دیکھا۔

فریال بھی اس
کے پاس آگئی۔ سلطان بچے دونوں بھائی اور بھانپوں
کے ساتھ ہی اترا تھا ابھی تک اوپر نہیں آیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں ماما تو نہیں مالو کی؟" اس نے
جاؤں گا تو اس سے اس کو دیکھا جو کباب اور دیگر
لوازمات رکھ رہی تھی۔

"نہیں آپ پوچھیں کوشش کروں گی برائے مانوں۔"

وہ سن کر اس کی طرف مڑی۔

"تمہاری بیٹھانوں کو تو بڑے ٹھانڈے ہاتھ ہیں،
واپسی میں دونوں نے منہ پر دھار رکھے ہوئے تھے۔"

فریال نے اس کی بات اس کی سمجھ سے باہر ہو، وہ جیسے ان
ہو رہی تھی کہ قلعہ بھائی نے یہ سب اسے کیوں کہا اس
نے سب ان کے سامنے حالات کے روئے روئے پیش
کھوئے کیے۔ وہ ان کی بات کا مناسب جواب
ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی کہ عازنہ بھائی نے
اس کے کندھے پر بڑی ہمدردی اور مہارادیتے والے
انداز میں ہاتھ رکھا۔

"یقیناً کروچیں اور سلطان کو یہاں سے واپس
دل انداز سے کٹ گیا ہے۔ لیکن کیا کریں ہم یہی نہیں
ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔"

"عازنہ بھائی میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن مجھے اور
سلطان۔۔۔ دو۔ کو کسی سے کوئی شکوہ نہیں، یہ سب شاہ
ہمارے نصیب میں لکھا تھا۔ لیکن مجھے اپنے اللہ پر پورا
بھروسہ ہے، یہ وقت بھی ان شاء اللہ اس کی مدد کے
سارے زوری جانے کا ہے جو اپنا کھل بڑی بہاولی سے
مکراتے ہوئے بالکل عام سے لہجے میں بولی۔

وہ اندر ہی اندر الجھ رہی تھی۔ چائیں وہ دونوں
ہے ہمدردی جتنا رہی تھی یا پھر تصور کا کوئی اور سی راز
دکھانے کی کوشش کر رہی تھیں، فریال کی جسم کی ہڈیوں کو
دل میں چھینٹیں دینا چاہ رہی تھی۔ اس لیے ان کی خاطر
مدد کے لیے اندر کر چکن میں آگئی۔ اس نے اسے فریال
بھی اپنا نہیں سنے پہلی آئی۔

نوادار مہمانوں کو بڑی خوشدلی اور اچانتیت سے

سلطان ہماز کو وہ جس کے پاس چکن میں آگئی۔

"بہت مصروف ہو چکا کوئی کام ہے تو تاؤ۔

میں فارغ غشی سوچ رہی تھی کہ کیا کروں تو دل نے

ملاح دی کہ اپنی دوستی کے پاس جاؤ تو دل کی

بات ہائی نہیں گئی مجھ سے۔" وہ سگراتے ہوئے تھے

دل رہی تھی۔ دل کو اس وقت اس کی آمد بڑی قیمت
محسوس ہوئی۔

"بہت اچھا کیا جو آپ آئیں۔ میں بھی آپ
کو یاد کر رہی تھی۔" فریال کے لہجے میں یہ بات بھی آئی تھی۔

حراج کو دیکھنے کے لیے اپنے ایکوٹے شوہر کا کس
قد خیاں پتا تھا۔ سن سونہر کر، روز جس کے کھڑے کا
انچھڑ کر تھی اور اپنے پیار کی بارش میں پورے پورے
بجڑا اپنی تھی۔ "وہ پھر بوجھت کا اٹھارہ کر رہا تھا۔
فریال نے زبان کا لی کر اسے چلایا تھا جی بی بی۔

شاہانہ انداز میں اشارہ کیا۔

"آپ جاسیں لی وی ان کریں میں کچھ کھانے

کے لیے لاتی ہوں۔"

"میری بیوی ختم ہو گئی ہے۔ مت کچھ بناؤ۔"

سلطان نے اسے روکا۔

"کیوں؟ کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔"

"میری زندگی جو پھر سے مجھ پر بیان ہونے کو
ہے۔ اب کسی بھوک کب کی بھوک۔" سلطان نے اس
کی گھر پر کھڑے ہاتھ کو، جو تھیں تھیں کی ناکام کوشش
کی تھی، مسکراتے ہوئے ایسا تھیکھا کھدہ دی
ہو سلطان صاحب آپ کا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

☆ ☆ ☆

اس اور دونوں اپنی بی بیوں کے ہمراہ پہلی
راہ جوئے بھائی اور بھائی کے کھڑے تھے۔ قلعہ اور
عازنہ بیڑیاں چڑھنے کے بعد کھر میں آتے ہی
صوفے پر پیسے گری تھیں۔

"اور مانی گاؤ۔" مشکل سے یہاں۔ "امدی
ناؤک حراج شریک حیات عازنہ نے بڑی مشکل سے
اپنی نگاہیں پر قابو پایا تھا لیکن قلعہ بھائی تو ہمیشہ سے
جس جیسے انہوں نے اپنی دلی نیکیاں چھپانے میں
کسی انچھاہٹ سے کام نہیں لیا تھا۔

انہوں نے بڑی ترس کھائی تھیں کہ ان کی

طرف دیکھا اور تاہم پر تاہم چا کر اپنا چہرہ مکمل

طور پر اس کی طرف موڑا۔

"دیکھو بھی انسانوں پر سو طرح کی آزمائشیں،
میں جیسے اب بڑے صبر سے کام لے رہا ہوں۔ کچھ نہیں
اس لیے کہیں اب بڑے صبر سے کام لے رہا ہوں۔ کچھ نہیں
ہو اب برداشت کرتی ہی نہ ہوں۔"

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

اسے کاروبار میں بہت بڑا نقصان ہوا تھا۔ اطلاع ملنے پر وہ فوراً اسی لیے گھر سے نکلا تھا۔ یہ ان کی برپادی اور مشکلات کا نقطہ آغاز تھا۔

سلمان کے ایک کلائنٹ نے مال منگوانے کے لیے اسے بہت بڑا آرڈر دیا تھا۔ اس نے جس نئی مین سے مال منگوا دیا تھا اس مین نے سب دو نمبر پر بھیج دیں۔ اور اس کے ساتھ فراڈ کیا۔ وہ کلائنٹ اسے بڑے نقصان کے بعد آئے سے باہر ہو رہا تھا۔ اسے ہر ممکن طور پر اپنے نقصان کی تلافی چاہیے تھی، دوسری صورت میں اس نے سلمان کو جان بھگتے مارنے کی دھمکی دے دی تھی۔ بختیار گروہری الف کے ہاتھ کے تمام بے شمار سے آگاہ ہو گئے تھے۔

اپنے بچوں کو حق حلال کما کر کھلانے، پروان چڑھانے ان کی شادیوں کرانے اور ہر مل ان کی سلامتی کی دغا میں جاتے والے بختیار صاحب اتنا بڑا صدمہ برداشت نہیں کر پائے۔ اور ان کا دورہ پڑنے کے بعد محض چار دن میں ہی اپنے خالقِ حق تعالیٰ سے جا ملے۔ یہ ہر صدمہ سلمان کے لیے جان لیوا تھا اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دو دونوں بھائیوں کا رویہ تھا۔ بابا کی ذمہ دہ کے بعد وہ اچانک جاتے گئے تھے۔ دوسری طرف سلمان کا کلائنٹ بار، بارانی رقم کی دہائی کا تھا مگر رہا تھا۔ اسے بھی نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ بختیار گروہری کے انتقال کے بعد وہ اور مل بیٹیں آگئے تھے۔ سلمان کی دونوں بیٹیاں بھی اسی تک دھنیں تھیں۔

سلمان اکیلا پریشان بیٹا مگر سب بھوک رہا تھا جب اکل بھائی دیکھتے تو مومن ملتے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ سلمان نے فوراً جہاں مگر سب بھائی اور شرمندہ نگاہوں سے ایک کھلے کے لیے انہیں دیکھا اور بھرپور جھکا کر بیٹھ گیا۔ دیکھو سلمان پر وقت پریشان ہونے نہیں ہے، بلکہ بہت اور حوصلے سے کام لینے کا ہے۔ انہوں نے بات کا آغاز کیا۔ سلمان نے ایک غالی ی

”ہاں تم دروازہ لاک کر لو۔“ سلمان کا بھائی چاہتا تھا۔ وہ اسے کچھ تھکاتے گھر سے چلا گیا۔ اور ان کی شادی کے بعد ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ بغیر تھکے وہ اس طرح گیا تھا وہ اسی عالم میں پریشان چھٹی سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے نمبر پر بختیار رائل یعنی اس کے سر کی کال آ گئی۔ مل، بیٹا سلمان کہاں ہے؟ ذرا میری بات تو کرو اور اس سے۔ بانی داوے اس کا نمبر کیوں آف ہے؟“ وہ اسے استفسار کر رہے تھے۔

”انکل وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔“

”اچھا، اوہ وقت ہے اپنے کام کے سلسلے میں کہیں باہر نکلا ہوگا۔ ویسے تم ہی دیر ہوئی ہے اسے باہر گئے؟ آئے کا کچھ بتا کر گیا ہے۔“ وہ اپنی قیاس آرائی کے فوراً بعد ہائی سوال کرنے لگے۔

”انکل انہیں کافی دیر ہوئی ہے، جانے سے پہلے انہوں نے کسی سے فون پر بات بھی کی تھی اور چھوٹے سے کالنی ڈسٹر بھی لگ رہے تھے۔“ مل نے اپنی گھر بندی مزید چپاے نہیں چھپ رہی تھی، اس لیے اس نے اپنی کارکردگی کا ذکر کوئی کر کے باقی سب انہیں بتا دیا۔

بختیار رائل تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے۔ فون پر ان کے صرف سانس لینے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ انہوں نے مل کی پریشانی بھانپ لی تھی، دو چار منٹ مزید ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہوں نے فون بند کر دیا۔

مزید وقت آگے سرکا، وہ دیکھتے اور گڑ گڑے، بختیار صاحب بڑے بے اکل کو ساتھ لیے سیدھا اس کے گھر ہی آ گئے، دونوں باپ، بیٹا کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے، انہیں آئے ہوئے مشکل دس منٹ ہوئے تھے کہ سلمان بھی آ گیا۔ چہرے سے وہ مشکل اور بڑا صدمہ دکھائی دے رہا تھا۔ مل کو یہ سلمان بالکل بدلا ہوا لگا۔ حالانکہ کچھ گھنٹے قبل اس کے گھر سے جانے سے پہلے وہ بہت فریخ اور زندگی سے بھرپور تھا۔ بتا نہیں ایسا کیا ہوا تھا جس نے اس کی ساری تازگی چھڑا دی۔

”آئندہ وہ بھی بچوں کا ڈکرت کیجیے گا، مگر آپ بہت پسند ہیں ناں تو خود پیدا کر لیں۔“ مل کا انداز اس وقت انتہائی بچکانہ تھا۔

”ڈونٹ وری، میرے بچے پیدا تو تم ہی کر سکتی۔“ سلمان کو اس کی بات کافی ناگوار تھی، اس کے اس کے انداز میں تھوڑی سی خند نہ چاہتے بھی شامل ہو گئی۔

”نہ نیور ایپور۔“ وہ مٹی سے اس کی ٹانگوں میں لگا بیٹھا ڈال کر بولی۔

”کم سے کم یہاں میں تمہاری ایکس بھی نہیں سنوں گا۔ اور سوری بھی نہیں کروں گا۔“ سلمان نے اس کا بازو پکڑا وہ مسلسل چڑھ رہی تھی۔ لیکن وہ اسی حالت میں اسے ساتھ لیے گھر سے آ گیا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ لاک کیا۔ مل نے اچانک اس کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ وہ تو اس کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیا بھی تھی۔ سلمان اس کا ہاتھ چھڑ کر پیچھے ہٹا۔ اور کہتی سے اوپر اپنا بازو دوڑا دیکھا۔ جہاں مل کے کانٹے سے نشان بن گئے تھے۔

ابھی وہ بی بھر کے انٹوس بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے نکل آیا اور دوسرے کمرے میں کم ہو گئی۔ خالصتہً تدبیر کے طور پر اس نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا۔

سلمان باہر کھڑا اسے بار بار ہار آئے کو کہہ رہا تھا لیکن وہ قہر آلود نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اسے میں اسے باہر کھڑے سلمان کی کسی کے ساتھ فون پر بات کرنے کی آواز آئی۔ آواز سے وہ کافی پریشان اور اپ سٹ دکھائی دے رہا تھا۔ بات کرتے کرتے وہ وہاں سے چلا گیا، مل نے جس طرح اچانک سے دروازہ بند کیا تھا اسی طرح اچانک سے کھول کر باہر نکل، وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ دوڑتے بہن رہا تھا، کچھ دیر پہلے ہونے والی۔ نہ بہن مل بھول چکی تھی۔

”آپ میں جانا رہا تھا۔“

”سائے کھڑی ہو گئی۔“

”آئندہ وہ بھی بچوں کا ڈکرت کیجیے گا، مگر آپ بہت پسند ہیں ناں تو خود پیدا کر لیں۔“ مل کا انداز اس وقت انتہائی بچکانہ تھا۔

”ڈونٹ وری، میرے بچے پیدا تو تم ہی کر سکتی۔“ سلمان کو اس کی بات کافی ناگوار تھی، اس کے اس کے انداز میں تھوڑی سی خند نہ چاہتے بھی شامل ہو گئی۔

”نہ نیور ایپور۔“ وہ مٹی سے اس کی ٹانگوں میں لگا بیٹھا ڈال کر بولی۔

”کم سے کم یہاں میں تمہاری ایکس بھی نہیں سنوں گا۔ اور سوری بھی نہیں کروں گا۔“ سلمان نے اس کا بازو پکڑا وہ مسلسل چڑھ رہی تھی۔ لیکن وہ اسی حالت میں اسے ساتھ لیے گھر سے آ گیا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ لاک کیا۔ مل نے اچانک اس کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ وہ تو اس کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیا بھی تھی۔ سلمان اس کا ہاتھ چھڑ کر پیچھے ہٹا۔ اور کہتی سے اوپر اپنا بازو دوڑا دیکھا۔ جہاں مل کے کانٹے سے نشان بن گئے تھے۔

ابھی وہ بی بھر کے انٹوس بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے نکل آیا اور دوسرے کمرے میں کم ہو گئی۔ خالصتہً تدبیر کے طور پر اس نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا۔

سلمان باہر کھڑا اسے بار بار ہار آئے کو کہہ رہا تھا لیکن وہ قہر آلود نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اسے میں اسے باہر کھڑے سلمان کی کسی کے ساتھ فون پر بات کرنے کی آواز آئی۔ آواز سے وہ کافی پریشان اور اپ سٹ دکھائی دے رہا تھا۔ بات کرتے کرتے وہ وہاں سے چلا گیا، مل نے جس طرح اچانک سے دروازہ بند کیا تھا اسی طرح اچانک سے کھول کر باہر نکل، وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ دوڑتے بہن رہا تھا، کچھ دیر پہلے ہونے والی۔ نہ بہن مل بھول چکی تھی۔

”آپ میں جانا رہا تھا۔“

”سائے کھڑی ہو گئی۔“

”آئندہ وہ بھی بچوں کا ڈکرت کیجیے گا، مگر آپ بہت پسند ہیں ناں تو خود پیدا کر لیں۔“ مل کا انداز اس وقت انتہائی بچکانہ تھا۔

”ڈونٹ وری، میرے بچے پیدا تو تم ہی کر سکتی۔“ سلمان کو اس کی بات کافی ناگوار تھی، اس کے اس کے انداز میں تھوڑی سی خند نہ چاہتے بھی شامل ہو گئی۔

”نہ نیور ایپور۔“ وہ مٹی سے اس کی ٹانگوں میں لگا بیٹھا ڈال کر بولی۔

”کم سے کم یہاں میں تمہاری ایکس بھی نہیں سنوں گا۔ اور سوری بھی نہیں کروں گا۔“ سلمان نے اس کا بازو پکڑا وہ مسلسل چڑھ رہی تھی۔ لیکن وہ اسی حالت میں اسے ساتھ لیے گھر سے آ گیا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ لاک کیا۔ مل نے اچانک اس کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ وہ تو اس کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیا بھی تھی۔ سلمان اس کا ہاتھ چھڑ کر پیچھے ہٹا۔ اور کہتی سے اوپر اپنا بازو دوڑا دیکھا۔ جہاں مل کے کانٹے سے نشان بن گئے تھے۔

ابھی وہ بی بھر کے انٹوس بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے نکل آیا اور دوسرے کمرے میں کم ہو گئی۔ خالصتہً تدبیر کے طور پر اس نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا۔

سلمان باہر کھڑا اسے بار بار ہار آئے کو کہہ رہا تھا لیکن وہ قہر آلود نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اسے میں اسے باہر کھڑے سلمان کی کسی کے ساتھ فون پر بات کرنے کی آواز آئی۔ آواز سے وہ کافی پریشان اور اپ سٹ دکھائی دے رہا تھا۔ بات کرتے کرتے وہ وہاں سے چلا گیا، مل نے جس طرح اچانک سے دروازہ بند کیا تھا اسی طرح اچانک سے کھول کر باہر نکل، وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ دوڑتے بہن رہا تھا، کچھ دیر پہلے ہونے والی۔ نہ بہن مل بھول چکی تھی۔

”آپ میں جانا رہا تھا۔“

مصباح الیوم

سے زیادہ توجہ کوٹ کر تے، عازمہ بھائی اسے کچھ چھڑتے ہوئے کہیں کہ گناہی نہیں کہ مسلمان تمہارا شوہر ہے، کھڑے شوہر سے زیادہ وہ تمہارا عاشق گناہ ہے۔ ان کا اپنا دکھ تازہ ہو جاتا، احمد کی بھی ان کے ساتھ لوہیرن کی لیکن شادی کے بعد توڑنے کی عرصے میں لوہم اور صرف میری ہی روٹی تھی۔ جی سب کچھ سوچنے کی آگ لگ گئی۔

☆☆☆☆

عجیب سی پرانی اور سلین زدہ عمارت تھی۔ دو دو پاں کھڑی تھی۔ اسے کچھ نہیں آری تھی کہ وہ یہاں پہنچی کیسے ہے۔ اس کے ارد گرد اجڑا اور بڑا ہی گنگ رہا تھا یہاں اس کے علاوہ اور کوئی بھی ڈی نہیں ہو رہی تھی، خوف کی عجیب سی لہر نے اس کے جسم کو بھر مچھری لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ یہاں سے باہر جانے کے لیے مڑی، وہ ابھی کا راستہ اسے ہر صورت تلاش کرنا تھا۔

اس نے چند قدم اٹھائے جب کھڑکی کا براؤن دروازہ اوپن کیا اس کے سامنے آگیا۔ وہ ہلکا سا چلے ہوا تھا کیونکہ اس میں بھری موجودگی تھی۔ اس نے اس پر ہاتھ لگایا تو وہ بغیر کسی مشکل اور آواز کے کھٹکا چلا گیا۔ اس کے سامنے خوب صورت فرنیچر سے آراستہ ایک اور کمرہ تھا۔ حیرت کی بات تھی۔ اس ویران عمارت کی عمارت میں یہ کمرہ اس کا حد تک گنگ ہی نہیں لگتا تھا۔ کچھ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بالکل ایک نئی جگہ میں آئی ہو۔

کمرہ ارضیوں سے جھڑور بنا ہوا تھا۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی، ایسی روشنی کہ بھوسے کے ڈیر میں سے سوئی بھی نکالی جا سکتی تھی۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔ سامنے کھڑکی کا آرائی مچھلا تھا اور ایسے بگورے لے رہا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی اس پر ہاتھ کر گیا ہو۔ وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھی جیسے اس میں بیٹھا جاسا جا رہی ہو وہ بھولے پر بچنے کی طرف بھٹی اور اس پر کھٹکا چل کر کچھ سا کھینچنے بیٹھے کے لیے ایک طرف کیا۔ جب ہی اس کی نظر اس پر پڑی۔ جوشن کے نیچے ایک طرف دینی تھی۔ گویا کوہ کچھ کمرہ کا

سب رکھنے کی سنجیدگی ہی نہیں تھی۔ ضرورت کی چیزیں رکھ کر وہ اوسط سے کچھ درمیانے درجے کے اس کمرہ میں بنے آئے۔ دونوں بھائیوں نے جھولنے مڑنے کی نہیں کیا کہ تم اپنی دوردور سے ملائے میں کیوں کھڑے رہے، ہونا مارے ساتھ آ جاؤں گا وہ میں کے، انہاں بھائیوں نے مسلمان کے اس فیصلے کو سراہا۔

”یہ تم نے بہت اچھا کام کیا ہے، رشید خان سے جتنا دور رہو گے اتنا ہی بہتر ہو گا تمہارے لیے۔ یہاں اس کے سامنے رہو گے تو وہ دن رات نہیں تنگ کرے گا، وہ تمہیں کسی دباؤ کے اچھے سے کام کرے گا، وہ سال بہت ہیں تمہیں کام کرو اور اس کی رقم اس کے منہ پر مارو۔“ اہل بھائی کی باتوں میں غلام تھا۔

☆☆☆☆

فریال ابھی تک سوائیہ لگا ہوں گے کھل کو دیکھنے جا رہی تھی جبکہ وہ ان سب محلات کو گھرانے کے موڈ میں تھیں تھی۔ اس کی مسلسل خاموشی سے تنگ آ کر وہ واپس چلی گئی۔ کچھ آ کر لیٹ گئی۔ خواہ مخواہ ہی وہ کئی اور جاس ہو رہی تھی، حالانکہ اس کا موڈ سراسر دالوں کی آگ تھا۔

کافی اچھا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ پرانی باتوں کو یاد رکھتی تھی جب پہلی بار اس کا مسلمان سے آشنا سامنا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے خوشگوار ترین یاد اسے پھر شادی کے بعد مسلمان سے اپنی پہلی ملاقات یاد آئی، عجیب وہ گلی تھی سولہ منچر سے آراستہ استحقاق سمیت اس کے کمرے میں موجود تھی۔ محبت کے نام پر پہلا اس جب اس نے مسلمان کے بازو میں اپنا تھوڑا سا ٹخنہ یک دم اتار دیا تھا لیکن بجائے وہ غصہ ہونے کے سکرا پڑا تھا۔ اس کی چاہت کے سارے رنگ ایک ایک کر کے کھل کی یادوں میں تازہ ہو رہے تھے۔ مسلمان نے اسے کالج کی ڈانگ لڑائی کی طرح سنیا ل کر رکھا تھا، اس کی مرضی کے بغیر اسے کچھ پھونکا نہ تھا۔ وہ اس کی نوسائیت اور پندار کا احترام کرتا تھا۔ آئے دن ان کے چکر بختیاں لگنے کی طرف لگتے، وہاں بھی سب اس کی حد

رکھتے نہیں ہو، بیوی والے ہو، وہ بد فطرت آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ احمد بھائی کی بات میں وزن تھا۔ ”میں کہاں جاؤں احمد بھائی؟“ مسلمان کے ہونٹوں پر چمکی سے سکراہٹ نے آ کر دم توڑ دیا۔

”میرا مطلب ہے کسی اور شہر میں جہاں رشید خان تمہاری گرد کو بھی نہ پا سکے۔“ احمد بھائی کے کچھ میں جھولنے بھائی کے لیے فرزند کی جنگ رہی تھی۔ ”میں جاتا تو جاؤں تو چھپے آپ سب کا کیا ہوگا؟“ اس بات کی کیا کارنی ہے کہ رشید خان آپ سب کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرے گا۔“ مسلمان نے انہیں آئندہ کھلایا تو وہ چپ ہو گئے۔

آئے والے دنوں میں مسلمان کی پریشانی اور بھی بڑھ چکی تھی، رشید خان نے بڑی مشکل سے اسے صرف مال بھری مہلت دی تھی، اس دوران اسے ہر صورت رشید خان کا نقصان پورا کرنا تھا۔

کل کے لیے یہ سب بالکل نا اور بے حد پریشان کن تھا۔ اس نے اپنے پاپا سے ہیلپ لینے کی بات کی جو ایک بڑے غریب پر غریب گئے ہوئے تھے لیکن مسلمان نے اسے کئی سے نک کر دیا اس کی عزت نفس کو یہ سب گوارا نہیں تھا۔ کچھ بھی کسی اسے اپنی جنگ اکیلے ہی لڑنی تھی۔

مسلمان نے اپنی گاڑی اور کچھ باہر چلے لیا ہوا بلاٹ فوری طور پر بیچا اور رقم رشید خان کے حوالے کی، کل نے اپنا سامان زور اٹھا کر اس کے سامنے رکھا اور فروخت کر کے پچھے رشید خان کو دینے کی صلاح دی۔ لیکن مسلمان نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا جنگ آ کر وہ قاطعہ بھائی کے ساتھ جا کر آدھے سے بھی زیادہ زور فروخت کر آئی، مسلمان کو اس وقت پتا چلا جب اس نے پیسے لا کر اس کے سامنے رکھے۔ اس وقت اس نے

”ہم سب تمہارے لیے بہت پریشان ہیں لیکن اس سے بھی بڑی پریشانی یہ ہے کہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ کاش میرے پاس احمد کے پاس اتنی رقم ہوتی کہ تمہیں دے سکتے۔ مگر سے تمہارے سر پر کتنی کوار تو ہٹ جاتی۔ ہمارا جو کچھ بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔ بہت مشکل سے بس اپنا ہی گزارہ ہوتا ہے۔ بابا نے اپنے پارٹ ایک سے پہلے ایک عجیب سی بات کی تھی، وہ یہ کھر فروخت کر کے لے کر رہے تھے۔“ یہ بات شاید لاشعوری طور پر اہل بھائی کے منہ سے نکلی تھی۔ مسلمان فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بابا جان کھر کھین فروخت کرتا چاہتے ہیں؟“ مسلمان کا سوال سن کر اہل کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے منہ سے نکلی بات سے کچھ تار ہوا۔

”وہ اصل میں تمہارے کھانڈ کی دھمکتی سے ڈر گئے تھے، سب کچھ ان کے سامنے ہی تو ہوا تھا۔ وہ چاہ رہے تھے کھر کچھ کریم نہیں دے دیں۔“ اہل بھائی کی آواز دہشت پرانی تھی۔ لیکن پھر فوراً ان کی بھیم میں آ جی کہ یہ کوئی مسئلہ بالکل نہیں ہے۔ اچھا مسلمان اب تم جتنی جلدی ہو سکتا ہے اس مسئلے کو فٹاؤں گے کہ پاپا سے بات کرو وہ تمہاری مدد کریں۔ بہت چہرے ان کے پاس۔“ آخر میں اہل بھائی نے اچانک کچھ لمحے انداز میں بات کا رخ موڑ دیا۔

مسلمان کے دل میں اچانک جوشیلا آیا تھا وہ اس چیلنجن نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اہل بھائی بابا جان کے بعد خاندان کے بڑے اور کٹر دھرتے۔ اسے ان کی نیت پر شک نہیں تھا۔ وہ جب شش و پنج میں تھا جب احمد بھائی بھی ان کے ساتھ آ کر باتوں میں شریک ہو گئے۔

”دیکھو مسلمان میں تمہارا بڑا بھائی ہوں، کئی کئی غلط مشورہ نہیں دوں گا، جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے دوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔ رشید خان اپنے اپنے منہ سے نقصان پر پاؤں لگتے کی طرح تمہارا ہے۔“ ان کا اشارہ اس کے کھانڈ کی طرف تھا۔ ”دیکھو جی اب تم

مشتاق الی

بہترین تحریریں، لاجواب رد وادار اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
مرکز شہادت کا مطالعہ ضروری ہے

مرکز شہادت
کراچی

شہادت 2022
کی جھلکیاں

بانی

اس بائیت لاکر احوال زیرست
جس نے حکمت نہیں سیکھا

وقت آخر

موت سے پہلے مسرور
شخصیات کے آخری جملے

وہاں

ظہر گری کی کمان کی یادیں، ملاقاتیں

درد ازادی

خون کے دریا میں غوطہ زن
فطرس کی کج سبائی

میرزا

بہت کج بایاں، کچھ قصے، تاریخی واقعات
وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے
ہیں، آپ کو پڑھنا چاہیے

2022

مسلمان نے ایک دم نئے نئے نوپے، لوفر عاشق کی طرح
اسے آنکھ ماری وہ اور کی بھنا کی۔
"آپ نہیں سدھر سکتے بھی بھی۔" وہ قہقہے سے
بولتی دوسرے ہاتھ سے اسے دھکیل کر بیڑہ روم میں جا
کھڑی ہوئی۔
"تو تم مجھے سدھار گونا ناں نہ شہادت آنکھوں میں
چھپا کر وہ بھید کی سے بولا تو وہ خلاف توقع رونا شروع
ہوئی۔

"پہ نہیں کیوں میں نے آپ سے شادی کر لی،
حالانکہ پاپا نے کہا بھی تھا کہ اچھی طرح سوچ لو، پر نہ
جائے کیوں میں نے کچھ سوچا سمجھا ہی نہیں، لوگ تیری
کرتے ہیں نیچے سے اوپر جاتے ہیں اور میں اوپر سے
نیچے آتا ہوں، ان سے زمین پر آتی ہوں، کہاں لاکر بٹھا دیا
ہے مجھے، اتنی دھشت زدہ جگہ، عجیب جاہلی سی عورتیں
ان کی آنکھیں دیواروں کے پتھروں سے پیچھے سے مجھے گھورتی
محسوس ہوتی ہیں، بلی بکرسے والا آٹو میں نے دروازہ
کھولا۔ سامنے پڑوسن کھڑی تھی کہنے لگی آپ کا دروازہ
پر وقت بند رہتا ہے، آپ کسی سے ملنے لگی کیوں
نہیں۔" بولتے ہوئے کھل کا چہرہ الال ہو رہا تھا۔ آنکھوں
میں شدید شے کی چمک تھی۔

اس نے مسلمان کو ہاتھ سے باہر کی طرف دھکیلتے
ہوئے اچانک دروازہ بند کر لیا اور بیڑہ پر بیٹھ کر رونا
شروع ہو گئی۔ اس کے رونے کی آواز بند دروازے سے
سے بھی باہر تک آ رہی تھی۔ شدید دلی اذیت سے
دوچار مسلمان نے ایک ہاتھ سے اپنے سر کے بال کھینچ
میں جکڑے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ حالات کی اس تبدیلی
سے بہت اپ سٹ ہے لیکن مسلمان کے سلسلے میں اس
کی رکھائی اور اچھوتیت خود اس کے لیے تکلیف دہ تھی۔
وہ ایسی، ایسی باتیں کہہ جاتی تھی جو کسی سے محبت کرنے
والا کہنے سوچ بھی نہیں سکتا۔

لیکن اس کا دل سدا کا خوش فہم تھا اس کے لیے
کچھ انا سیدھا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ماہنامہ پاکیزہ کھولن جولائی نمبر 2 79 اگست 2022

کر لیتو۔ تھوڑا سا جاؤ شاباش۔" مسلمان نے کھل کا بازو
پکڑ کر اٹھانا چاہا۔
"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں، ابھی سوچی تو رات
کو نیند نہیں آئے گی۔" اس نے اپنا ہاتھ نری سے مسلمان
کے ہاتھ سے نکالا۔
"اسی لیے تو ابھی سونے کا کہہ رہا ہوں۔"
مسلمان نے شوخ و معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھا تو کھل اچانک بھنا کی گئی۔

"مسلمان صاحب ہر وقت ہری، ہری سو جیتی ہے
آپ کو، حالانکہ ہماری لائف جس طرح ڈسٹرنگ ٹل
رہی ہے ناں ایسے میں سارے خواب اپنی موت آپ
مر جاتے ہیں، سب پیار، محبت، فریب نظر دکھائی دیتے
لگتا ہے، دل کی بات بھولی گئے لگتی ہے۔"

"تھمارا تصور نہیں ہے، اصل میں تمہاری سوچ
بہت خفی ہو گئی ہے۔ لیکن میرا دل تمہارے دماغ کی
طرح حسین، ان چھوٹے جذبوں سے ابھی تک خالی
نہیں ہوا ہے اس میں ہر طرف تمہاری محبت کے پھول
کھلے ہیں۔ میں تو چاہتا ہوں تھوڑی دیر کے لیے تم بھی
زندگی کی بھینٹوں کو بھول جاؤ۔ میرے ساتھ ستاروں پر
چلو۔"

"آپ خود ہی محبت کی وادی اور ستاروں میں
چلیں، مجھے پکڑیں دیں میں ٹھیک ہوں ایسے ہی۔" وہ چپا
نہیں کیوں اتنی بھوری تھی۔ لا۔۔۔ ابھی طرح جانتا
بھی تھا کہ اس کی محبت کے رنگ اوروں سے جدا ہیں جو
لمن کی اولین ساتوں میں اپنے ناخن اس کے بازو
میں اتار کر اسے اپنی زندگی میں خوش آمدید کہہ سکتی ہے،
وہ نرم گرم تہنوں میں خود پردہ کی کے خواب بھی دکھا
سکتی ہے۔ صرف خواب۔

"تم مجھ سے دور بالکل بھی ٹھیک نہیں۔" وہ
سکھراتا ہوا مسونے سے اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا، وہ
جو دروازے پر کھڑی اندر کرے میں قدم رکھنے کے
لپے پر توں رہی تھی، اس کے آنے سے وہیں تک

جس ایک دم خوف سے تن گیا۔ ایک دھندلا ہٹ سی اس
کی آنکھوں میں اتر آئی۔ وہ نگاہ بھر کر اسے پوری طرح
دیکھنا چاہ رہی تھی۔ اس کی شکل کو پہچاننا چاہ رہی تھی لیکن
اچانک ہی اسے اپنی انگلیوں اور ہاتھوں میں شدید
تکلیف اور جھپٹ کا احساس ہوا۔ تب اس نے گھبرا کر فوراً
ہاتھ میں پکڑی کر لیا چھوڑ دی۔ اس کا دل تیز، تیز دھڑک
رہا تھا۔ گزریا کے سارے جسم میں سونیاں پھوٹ گئیں۔
وہ خوف کی وجہ سے چٹخنا چاہ رہی تھی۔ لیکن یوں لگ رہا
تھا جیسے کسی نے اس کا گھلا دو بوجھ لیا ہو۔ اس نے گھلا
دبو پٹنے والے بازو پر ہاتھوں کی گرفت سے خود کو آزاد
کرنا چاہا۔ اسی دوران اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس
کا پورا جسم لپٹنے سے شہزادہ ہو چکا تھا۔ ایک دم وہ گھڑ
پڑ گئی۔ یعنی وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ عصر کی اذان ہو رہی
تھی اس نے صوفے پر پڑا دو پٹا اٹھا کر سر پر رکھا۔ اس کی
حالت بہت عجیب سی ہو رہی تھی، ایک دم پورا جسم بے
جان اور کمزور پڑا محسوس ہو رہا تھا۔
مسلمان ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اسے کون
کے بات کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ خود ہی واپس آ گیا۔
اس کی عجیب سی حالت دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی
طرف بڑھا۔

"کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک نہیں کیا؟ بھلا تو نہیں؟
موسم بھی تو بدل رہا ہے۔" اس نے کھل کے ہاتھ پر
ہاتھ رکھا۔ لیکن اس کے ہاتھ کے ساتھ پورا جسم غٹھا
چلا تھا۔ "کیا ہوا میری جان میں تمہیں بالکل ٹھیک
لگتا ہے؟ چھوڑ کر گیا تھا۔ نہیں۔۔۔ وہ کچھ کہتے، کہتے رک
گیا۔ اب کچھ وہ پریشان ہو گیا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں آنکھ لگ گئی تھی۔ عجیب بے اسرار
سا خواب دیکھا ہے میں نے۔ اب سر بھاری ہو رہا
ہے۔"

"اس وقت خواب، ارے اس وقت کے خوابوں
کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، ویسے بھی ہم جس قسم کے
حالات سے آج کل گزر رہے ہیں ناں ایسے میں عجیب

مضام السور

”روٹی باقی آپ کو سب بتا تو ہے، مجھے اپنا شہر بائیں بھی نہیں پسند مجھے تو اپنا آئیڈل ملنا ہی نہیں، مجھے دیکھو کیا کی ہے بھلا مجھ میں خوب صورت ہوں، جوان ہوں چار بیچوں کی ماں ہو کر بھی میری کشش میں کی نہیں آئی۔“ روٹی باقی نے لڑکیوں کو اتنے اچھے لڑکے کہاں سے مل جاتے ہیں، میرے نصیب میں کیوں ہی لکھا تھا کہ اس شخص کا شوہر... ہائے دل پر چھریاں سی چل جاتی ہیں اسے دیکھ کر... اور نام بھی کیا ہو گا والا ہے، سلمان، ایک میرے نصیب میں سمیٹ لکھا تھا ہو نہ۔“ اس نے منہ بگاڑا۔ تب ہی دو اور عورتیں چلی آئیں، ایک کو دیکھ کر کوئی مفریال سر جھٹک کر سرگرمی ہوئی ویکس کریم گرم کرنے لگی۔

☆☆☆☆

موسم پر عجیب و غریب سی چھائی ہوئی تھی، سارا دن دھول مٹی اڑتی اور مٹیالی دھوپ میں سارے شہر کا منظر بھی لہا اوقات دھندلا دکھائی دیتا۔ رات گھنٹے سلمان گھر کی سمت جانے والی پانچ منزلہ میٹروں پر چڑھ کر دروازے سے اندر داخل ہوا تو یک دم ہی جیسے اس پر چھنکار غالب آگئی، فحش نے اس کے سلام کا جواب انتہائی آہستہ آواز میں دے دی سے دیا تھا۔ اس کے لیے دروازہ کھولنے کے بعد وہ اپنے پی دی دیکھنے والے مشغلے میں مصروف ہو گئی۔ سلمان کھانا باہر سے ہی کھا کر آیا تھا۔ ایک کھا کھٹ کے ساتھ اس کی میٹھک تھی، جس میں توجہ سے زیادہ وقت لگ گیا تھا اس لیے اس نے آتش کے ٹوکوں کے ساتھ ہی کھانا کھا لیا تھا اور گھنٹوں کے ساتھ ساتھ کھانا کھاتا رہا۔ اس کے لیے کھانا نہ بنائے، اس لیے اس کی وابستگی تک وہ بڑے آرام سے پی دی دیکھنے میں لگ گئی تھی۔ سلمان سارے دن کی محنت اور دھول مٹی اتارنے، نہانے کے لیے کھانا کھاتا رہا۔ وہ چہرے پر ایسے تاثرات سجائے کھڑی تھی جیسے اسے کوئی ضروری کام ہو۔

”کیا بات ہے؟“ سلمان نے ڈریسنگ ٹیبل پر غور کیا۔

”کیا بات ہے؟“ سلمان نے ڈریسنگ ٹیبل

دوسری بار لازمی آتا۔ اس لیے اس کے پاس کام کی کہیں بھی۔ شام چھ بجے پارلر بند ہو جاتا، اتوار کی چھٹی ہوتی تھی لیکن اگر زیادہ کام کا لوڈ ہوتا تو روٹی اسے فون کر کے بلواتی۔ اس کے پاس چار اور بھی لڑکیاں تھیں جو اس کا ساتھ بناتی تھیں پر وہ فریال کی طرح سب زبانی نہیں تھیں اور اس کی طرح زیادہ کام نہ بناتی تھیں اس لیے وہ اکثر روٹی کی آغوش کا تارہ بھی۔ اسے خود بھی جیسے کہنے کا ذوق تھا اس لیے اس نے سائنڈ بزنس کے طور پر دو اور کام بھی شروع کر رکھے تھے، ایک تو وہ بیڑے فروخت کرتی تھی، جو روٹی کی اجازت سے اس نے پارلر میں ہی ڈیپلے کر رکھے تھے۔ وہاں بیٹے سنوارنے کے لیے آنے والی عورتیں اسے لگے ہاتھوں خرید لیتی، دوسرے رشتے کروانے کا کام اس نے حال ہی میں شروع کیا تھا۔ جس میں ابھی تک اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن بہت بار کردہ پیچھے بننے والوں میں سے نہیں تھی اس لیے پارلر سے گھر آنے کے بعد آس پاس کی ساری لائسنسز میں جاتی کیونکہ اسی علاقے میں پہلے اس کا بچپن اور اب جوانی گزر رہی تھی۔

”تو مجھے بھی ملو؟“ ہاں اس سے۔ لاؤ کسی دن میرے پاس۔“ روٹی بھی اتنی تعریفیں سن کر گھل کود کھینچا چادر ہی تھی۔

”ہاں روٹی باقی فکر مت کریں بہت جلدی پارلر کا سیر کروانے لاؤں گی اسے۔“ جو اب وہ ایک آگے دبا کر آہستہ سے بولی، وہ کسٹمر عورت کی آئی روز بننا چکی تھی، اس نے پیسے روٹی کے حوالے کیے اور چلی گئی۔ تب فریال بھر سے شروع ہو گئی۔ ”اس کا چہرہ آدھی ہے ناں، آف، ہائے مت پوچھیں کیسا ہے، بیڑہ والی پرستانی ہے، روٹی باقی تم سے آپ ایک بار دیکھ لیں ناں تو عاشق ہو جائیں۔“ وہ ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاص ادا سے بولی۔

مجھے تو لگتا ہے تم اس پر پیلے ہی کی، کی عاشق ہو

تھا، یہ کچھ دن پہلے کی ہی بات تھی وہ بزنس ٹریپ سے واپس آگئے تھے، کل ان کے پاس ایک سیلے ہی کی تھی، سلمان باہر سے ہی اسے چھوڑ کر آ گیا تھا۔

فریال کی آنکھیں چمک رہی تھیں اس نے تو بہت جلدی ان دونوں میاں بیوی کے بارے میں کاٹنی کچھ جان لیا تھا۔ اب پوری بلڈنگ پر اپنی بڑی اور دھاک بھاننے کا سہی موقع تھا۔ ویسے بھی سب عورتیں اس ہی آنے والی نیکی کے بارے میں ضرورت سے زیادہ تجسس کا شکار تھیں۔ اب اس نے ایک، ایک کو چکر کاہتا تھا کہ وہ ان کے گھر چالی ہے اور اس پیاری سی بی بی کی اس کی بچی دوٹی ہو گئی ہے اور وہ اس کی کافی زیادہ خاطر مدارت بھی کرتی ہے۔ ایسا بھلا یہاں کہاں ہوگا تھا، یہاں کسی کے گھر چلے جاؤ تو کوئی کسی سے پانی کے ٹکاس تک کاٹیں پوچھتا تھا اور وہ تو اسے کھلائی پانی۔ ٹیک، جوں، چکل کباب جو بھی ہو پوٹی عزت سے اس کے سامنے رکھتی۔ ایسی عزت اس نے بھی اپنے پیچھے تک سے نہیں پائی تھی بلکہ اس کے تو پیچھے بھی اس سے تیز سے پات نہیں کرتے تھے۔ فریال کو شاید اس کا اندازہ نہیں تھا کہ کل جس ماحول سے آئی ہے وہاں چھوٹے بڑے کی عزت کا ہنسی بچپن میں کھٹی کے ساتھ ہی دیا جاتا ہے۔ پھر نظر ناوہ خود ہی نرم دل حساس اور پر غلوں تھی۔

☆☆☆☆

”روٹی باقی میں کیا بتاؤں وہ سچی حسن ہے، اتنا پیارا بچہ ہے کہ دل چاہتا ہے بندہ منہ نہایتی رہے۔ یہ فرانے دارا کمر بڑی بوٹی ہے، بہت پریمی بھی ہے۔ اور پھر جو اس کا شوہر ہے ناں اسے دن ہے۔“ فریال پارلر میں ایک عورت کی آئی روز بناتے ہوئے بڑے شوق سے کل اور سلمان کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ یہاں کیمپن پر کام کرتی تھی، ہر آنے والے سفر سے روٹی اپنی خدمات کے سلسلے میں جو وصول کرتی اس کا ایک مستقل حصہ فریال کو بھی دیتی اس لیے وہ فی الحال اس کے پاس ہی ہوئی تھی۔ اس کی بیٹی زبان اور اچھے

ان کا شکوہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔“ مجھے، مجھے قدموں سے دو دروازے سے پٹنا، میں اسی وقت فریال ایک ڈھکی پٹ میں کچھ لیے اچانک سے نازل ہو گئی۔ سلمان نے فوراً اپنے تاثرات نازل کیے۔ اب فریال نے بڑے قیاس سے لگا ہوا سلمان کے چہرے کو دیکھا۔

”کل کہاں ہے میں اس کے لیے پکڑوں والی سڑکی لائی ہوں، ایک دن بتایا تھا اس نے مجھے کراسے بہت پسند ہے۔“ فریال نے خود ہی پٹ پٹ پٹن کے ہلچل پر تھکی۔

”آواز نہیں آ رہی اس کی۔“ سلمان نے مزید اسے سوال کرنے کا موقع نہیں دیا اور بند دروازے کی اشارہ کر کے خود دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

وہ کچھ دیر اسی طرف دیکھتی رہی جس طرف جا کر وہ غائب ہوا تھا۔ پھر تجسس کے حامل میں کل کی طرف چلی آئی جو سر لینے پر ہی تھی۔

”ارے کیا ہوا میری لڑکی؟“ گلتا ہے میان سے بڑائی ہو گئی ہے، لو اس میں اس طرح اداں ہونے کی کیا ضرورت ہے، زندگی میں یہ سب تو چلتا ہے، مجھے دیکھو میرا میاں تو ہر وقت ہی منہ پھلانے پھرتا ہے، حالانکہ اپنی ساری مونا تو ہے مجھ سے پھر بھی اس کا منہ میٹھا ہی رہتا ہے۔ یہ سارے مرد ہی ایک جیسے ہوتے ہیں، تم بھوانا مود ٹھیک کر دیا ہاش۔“ فریال نے بڑی بے تکلفی اور جھٹ سے ہم دراز کل کا ہاتھ پکڑ کر کھایا اور اس کے گھر سے بال۔ خود ہی ہیر بریش لے کر لکھانے لگی۔ اس کے اس عمل نے کل پر غور ہی اڑ گیا، اس کا مود ٹھیک ہو گیا، تھوڑی ہی دیر میں فریال نے اس سے بڑی نرمی اور اپنا پتہ سے کافی کچھ انکوائری کی، سلمان سے اس وجہ سے بھی فحاشی کر اس کے پاپا کو جب سے ان کے کاروبار میں ہونے والے نقصان کا پتہ چلا تھا انہوں نے سلمان کو کچھ رقم دینے کی بھی آفر کی تھی، جو اس نے شکرے کے ساتھ رد کر دی تھی، اس کا کام ان کی عیب کی طرح دی جانے والی امداد سے ہونے والا

81

اگست 2022

ماہنامہ پاکیزہ کولن جولائی نمبر 2

80

اگست 2022

ماہنامہ پاکیزہ کولن جولائی نمبر 2

”مجھے ایک دوتن دن تک پاپا کی طرف جانا ہے۔“ اس نے مطلع کیا۔
 ”ٹھیک ہے کل اپنے بھی دیکھا اپنے ہے ہرے ساتھ چلی جانا، وہاں ہی پر اس اور احمد بھائی سے بھی مل آئی گے۔“
 ”جی ہاں، کی طرف۔“ جس نے اس کے ساتھ

باور رکھی کروایا تھا کہ اب ہمارے مشکل دن شروع ہو
 رہے ہیں، اس وقت تک نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اب
 آنے والی بات ہے بات وہ شکا توں کے پرانے کفر سے
 کرو جی جی، ذرا ذرا کیا بات پر اس سے انجی
 وہ دل کی بھڑاس نکال کر فرج سے پانی کی کھال
 نکالے گی، مسلمان نے پس پس نہیں ہوا اسے جانتے دیکھتے
 ☆☆☆

پھر فریال اس کی طرف مڑی۔
 ”جھوٹو نہیں دیکھے مرہٹوں آؤں۔“ نعل پہنے نعل
 جادو اڑنے سے تیار کھڑی تھی۔ فریال نے اپنا ایک طرف
 رکھا بس افغان اور اس میں جھوٹے سے شاہو میں گہما گہما ہوئی
 کوئی چیز اندر دھری اور اسے جھٹ کندھے سے اڑا لیا۔
 فریال اسے ساتھ لے کر بارے سے بھرے ہوئے

منہاج الشہداء

بچے جھوٹے خود پڑاوا پس چلی گئی جس کے قدم آگ سے
 پڑ جانے اسنے میں اس کے پیچھے سے کوئی چلنے ہوئے
 سامنے آگیا۔ یہ اٹھارہ، بیس سال کا لڑکا تھا، لمبے بال
 ہاتھ میں سستا ساموئل کپڑے اسے بڑی عاشقانہ
 نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نظم

شاعره: بمیرا سرفراز
مرسلہ: فہمیدہ جاوید، ملتان

”جیسے میرے خوابوں میں جو شہزادہ آتا تھا
 ماں وہ مجھے کسی کالج کی نانک گریڈ کی طرح چہونٹا تھا۔
 اور جب میں سوئی ہوتی تھی تو وہ میرے پاس بیٹھ کر
 بہت پارے مجھے دیکھتا تھا وہ سانس لیتی ہی بہت
 لیتا تھا کہ کہیں میں جاگ نہ جاؤں۔ اور اگر میں اس کی
 طرف سے کمرٹ نہ کر لیت جاتی تو میری کھلی کے
 دوسرے دھیری طرف دیکھتا کہ مجھے نہ تھا۔ میں نے میری
 دیکھو میری کہ یہ خواب سنا تھا اب میں نے اس کو
 اور کے لئے میں آج کہ بہت ساری خوش قسمتی رہے

نخل نے پر خلوص مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"صبح، صبح کہاں نوںج رہے ہیں میں نے تو سارا

مسلمان نے بایک اشارت کی اور کل کو اپنے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فریال کا پورا جسم اس وقت آنکھ بنا ہوا تھا۔

کوئی شک نہیں۔ "خزیاں نے اچانک فحش کا ہاتھ پکڑا اور کٹائی سے اوپر اس کے کندھوں اور گردن کو بڑی غور سے دیکھا۔

نور سے دیکھا۔
 "موسیٰ مسلمان بھائی! تم جہنم کا جگمگاتی مڑی
 طرں رکھا ہوا ہے۔" آخر میں وہ اس کی طرف دیکھ کر
 پیار سے مسمرا کر "اچھا وہ تو میرے دوست ہیں، نہ کہ باپ کا
 لے لے گا مجھے۔" میں اس کی باتیں نہیں، لیکن
 "آپ اچھے ہیں، میں نہیں، لیکن آپ روم میں
 پانی کی تہا جبری ہوئی ہے، اور صاف میں شہسب رکھا ہوا
 ہے۔" مٹی سے نکلنے سے آخر کی فریاد کی نکالیں
 چمک ٹھیں سوائے آپ تو ہم سے اس کے بھائی کے کھر
 م کے تمام سے دیکھ کر تھے۔

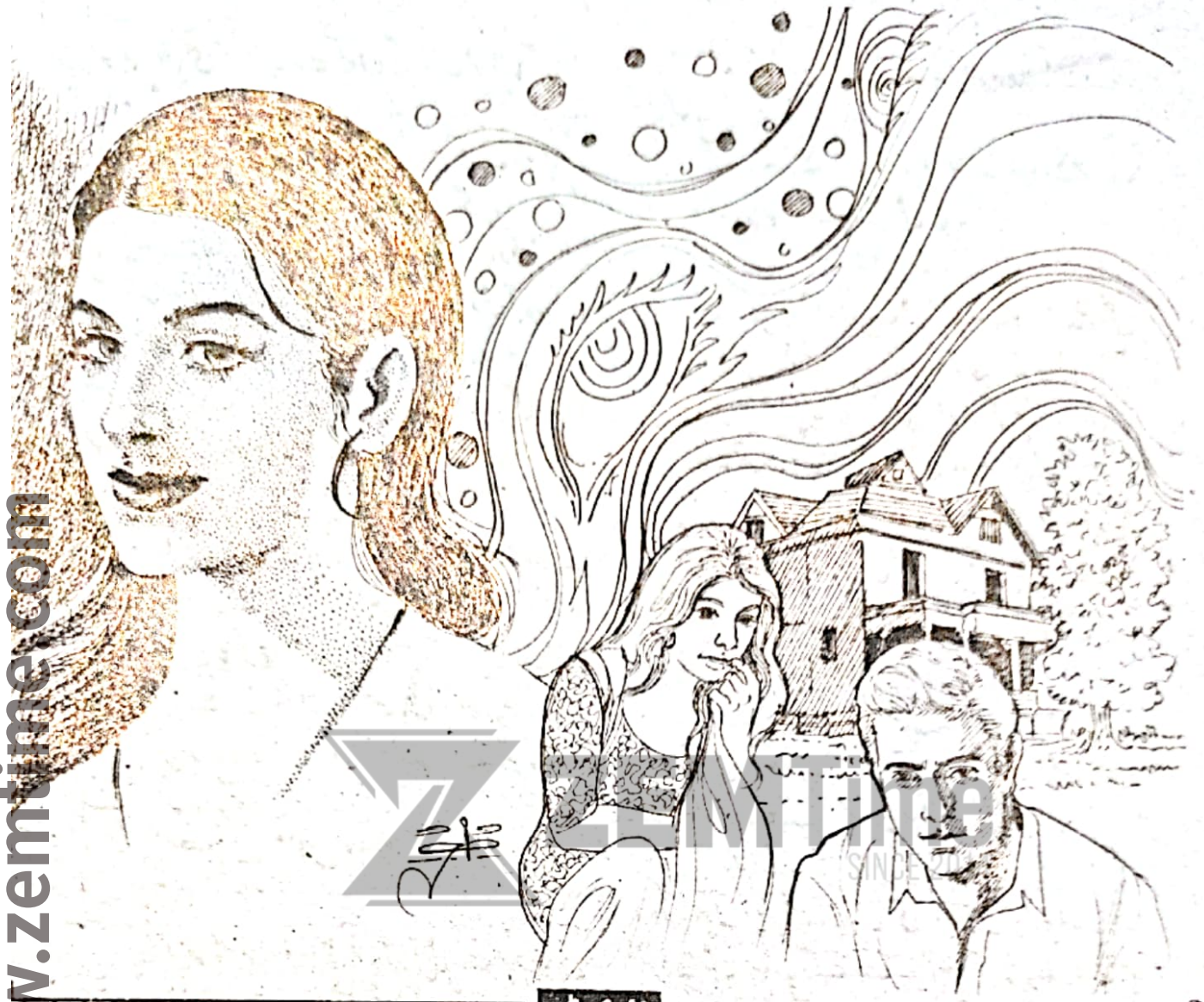
”ہے“ دوسرے اس کے گھر جا کر نالوں کی تہوں سے
چل دی ہے۔ شیوہ۔ ”اس نے گزروے سے کچھ نہ کیا۔
”رہے نہ کیا ہے آپ کا کیا گھر ہے، اس پر
کر رہی ہیں اس پر نہ کہ مجھ کی تمام دوسری بھی
جا رہی ہیں۔ اس امر کو دیکھ کر اس نے بار بار اپنی رو
چیں کے پیچھے دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر
”بچہ وہ اس کے گھر کے مقابلے میں بہت صاف
قمار کی ہوائی پائلیں روز بستر کے ساتھ رکھے ہیں
وہ چل کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر
”کی طرف پہنچے۔ اس نے جانے کے لیے دوڑا
شیوہ، کچھ دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر
”میں کیا کہہ دو اور اچھا۔ اسے نہیں چاہتا کہ سب کے
لیے اس کے پاس چل کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر
”اس کی ساری باتوں سے بڑا خوش ہے اور اس نے
”میں جیسا کہ وہ اس کے پاس چل کر دیکھ کر دیکھ کر
”اس کے پاس ہی سب فرما رہی ہیں کہ اس نے
”شاہی کے بعد سلطان نے اسے بھی کیا کا احسا نہیں
ہوئے اور وہ اس کے پاس چل کر دیکھ کر دیکھ کر
”اتھے پر اس پر اس کے پاس چل کر دیکھ کر دیکھ کر
”میں جب وہ دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر
”لیے جبکہ اس نے اس کے حساب سے یہ پاس

ماہنامہ پاکیزہ، گولڈن جوبلی نمبر 2، [86] اگست، 2022

نے کے باوجود اپنا کپہہ لان کا سوٹ اسے چھوڑ دیا۔
 سلطان فریال کی آواز سے بیدار ہو چکا تھا۔ اس
 سینہ کا پی ٹی جی ٹی اس نے نکل سے اشارے سے
 مہاجر آؤ اس نے تھمروم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ نہا
 ہے۔ سلطان کے چہرے کے چہرے میں
 تھمروم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ نہا

[illegible]

اختصاصی حصہ انگلیس ماہ



ناروت

مفتاح الشور

نبیلہ ابرار حبا

تیسرا اور آخری حصہ

اس کے علاوہ وہ دو یتیم بچوں کی تعلیم کا خرچہ بھی اٹھا رہا تھا اس بات کا علم سوائے اللہ اور اس کے کسی اور کو نہیں تھا لیکن آج جب اس نے فریال کو زار و قطار روتے دیکھا تو دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ رات کو جب وہ گھر واپس آیا تو اس نے ایک لفافہ محل کو دیا، اس میں کچھ رقم تھی۔
”صبح جو خاتون آئی تھیں یہ ان کو دے دینا، میں کوشش کروں گا کہ باقاعدگی سے یہ سلسلہ چلتا رہے۔“
”زبردست سلمان..... پتا ہے میں بھی یہی

سلمان مینے بھر میں جو بھی کماتا تھا اس کا ایک معقول حصہ صدقہ کرتا تھا، اس نے ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے اپنے والدین کو اس طرح کرتے دیکھا تھا اس لیے یہ چیز اس کے لاشعور میں پختہ ہو چکی تھی کہ اس کی حلال کمائی میں اللہ کی کمزور مخلوق کا بھی حصہ ہے، اس لیے گھر میں اس نے گیلری کی سمت پرندوں کے لیے باجرہ اور پانی کا برتن خاص طور پر لاکر رکھا تھا۔ محل باقاعدگی سے پرندوں کو دانہ پانی دینے کی ذمہ داری نبھا رہی تھی۔

”او کے لیکن جلدی آ جانا۔“ اس نے زور دے کر کہا۔
فحل نے کھلے بال سمیٹے اور سر کے گرد اچھے سے دو پٹا لپیٹا اور دروازے سے نکل گئی۔

☆☆☆

بے دلی اور کلفت سے بھرے شب و روز تھے، فحل کی بیزاری جانیے کیوں ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی ادھر پاپا کا مسلسل اصرار کہ تم اور سلمان ہمارے ساتھ ہی آ جاؤ۔ فحل کی بھی یہی مرضی تھی کہ جب تک ان کے مالی حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے وہ میکے میں ہی رہے بر سلمان کسی صورت بھی اس کے لیے راضی نہیں تھا۔ فحل کی ہزار ہا منتوں کے جواب میں اس کے پاس ایک ہی جملہ تھا۔

”مجھے اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جانا۔“

”یہ..... آپ کا گھر تو نہیں جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ کرایے کا ہے۔“ وہ بکھڑ ہو گئی۔

”میں نے کب دعویٰ کیا کہ اپنا ہے کرایہ دے کر رہ رہا ہوں، پر مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ شروع میں یہاں آنے سے پہلے اور آنے کے بعد تمام حالات کا علم تھا تمہیں، اس وقت تو تم نے کہا تھا کہ آزمائش کا یہ وقت ہم دونوں مل جل کر کاٹیں گے۔ پھر اب کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں روز، روز ٹارچہ کرتی ہو مجھے۔ اگر یہ سب اسی طرح چلتا رہا تو میں اپنے کام پر فوکس نہیں کر پاؤں گا اور اس کا سیدھے الفاظ میں یہ مطلب بنتا ہے کہ مزید مشکلات۔“ سلمان کا لہجہ سختی و بے بسی لیے ہوئے تھا۔

”آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ میری وجہ سے آپ مشکل میں ہیں تو اس مشکل سے پیچھا چھڑالیں کم سے کم میری یہ بات تو آپ مان ہی سکتے ہیں۔“ فحل جب بولی تو اس کے ہر لفظ سے جیسے زہر ٹپک رہا تھا۔ ساتھ ہی پاؤں تلخ کر وہ کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

سیکریٹ جلا کر اس نے زوردار کش لیا، کیلے کڑوے دھوئیں سے اس کے پیچھے بڑے بھر گئے، اس

سوچ رہی تھی کہ آپ سے کہوں گی ہمیں فریال آپ کی ہیلپ کرنی چاہیے، پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں ویسے بھی۔“ فحل بے طرح خوش ہو گئی تھی۔ ہم اگر اوروں کی مدد کریں گے ناں تو اللہ ہماری بھی مدد کرے گا ہماری وجہ سے اگر کوئی مشکل سے نکلا تو اللہ ہماری مشکل بھی آسان کرے گا۔ آپ دیکھ لیتا بہت جلدی آپ اس کرائس سے نکل جائیں گے۔“ اس کے چہرے پر یقین کی روشنی تھی۔ اور سب سے خوشی کی بات یہ تھی اس کا موڈ بالکل نارمل تھا ورنہ سلمان کے گھر میں گھستے ہی اس کے ماتھے کے بلوں میں یکا یک اضافہ ہو جاتا تھا۔

”اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو؟ کیا اللہ سے کوئی ڈیل کر لی۔“ کا لہجہ خوشگوار تھا۔

”ڈیل کا تو پتا نہیں پر میرا دل کہہ رہا ہے۔“ وہ بے نیازی سے بولی اور اپنے کھلے بال پیچھے کیے۔

”بیاری۔۔۔۔۔“ سلمان نے نظر جما کر اسے توجہ سے دیکھا۔

”معلوم ہے۔“ اس کا اعتماد سلمان کو شرارت پر اکسارہا تھا۔

”اچھا پھر تمہاری اپنی فریال آپ سے اور کیا، کیا باتیں ہوئیں؟“ اس نے ہتھیلی ٹھوڑی کے نیچے جما کر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”کیا آپ نے سب سن لیا؟ سو نہیں رہے تھے کیا؟“ فحل کو شاک سا لگا۔

”سو ہی رہا تھا جان من پر تمہاری فریال آپ تو صور پھونکتی ہیں۔“ سلمان کا اشارہ اس کی اونچی آواز کی طرف تھا۔

”میں نے تمہیں کانچ کی گڑیا کی طرح رکھا ہوا ہے اور..... اور۔“ سلمان نے ساتھ بیٹھی فحل کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس کی نگاہوں میں طلب کا سمندر تھا نہیں مار رہا تھا۔

”چھوڑیں میرا ہاتھ میں یہ پیسے پہلے جا کر دے آؤں۔“ فحل نے ہاتھ چھڑا کر بیڈ پر رکھا لفافہ اٹھایا۔

”رہنے دو، وہ خود آ جائے تو دے دینا۔“ سلمان

نے اسے روکا۔

”نہیں میں ابھی جا رہی ہوں۔“ اس نے غلٹ دکھائی۔

تیز اور اونچی ہو گئی تھی۔ اس نے سگریٹ پھینک کر
دولوں بازو لوہے کے جھکے پر اٹکا دیے۔
رات کے آخری پہر تھک ہار کر وہ اندر کمرے کی
طرف پلٹا اور وہیں ایک طرف دیوار کے ساتھ رکھے
تھری سیٹر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ دل خوش فہم کو امید تھی
اگر وہ سوتے سے جاگ گئی تو بے قرار و بے چین ہو کر
ضرور اس کے پیچھے آئے گی اور اپنے مخصوص بے پروا
اور بے نیاز لہجے میں کہے گی کہ لڑائی لڑائی معاف کرو
اللہ کا گھر صاف کرو۔ اسی امید کے ساتھ سلمان کی
آنکھیں رفتہ رفتہ نیند سے بو جھل ہونے لگیں۔

☆☆☆

وہی کرا تھا جس میں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی
روشنی پھوٹ رہی تھی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا اور وہ پہلے
کی طرح اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ پھر اس کی نظر لکڑی کے
جھولے پر پڑی وہ سسرا اڑڈ ہو کر اس کی طرف بڑھتی
چلی گئی۔ جھولا خود بہ خود آگے پیچھے ہو رہا تھا جیسے کوئی
نادیدہ قوت خود بہ خود اسے جھلا رہی ہو۔ لیکن وہ کسی
وجود سے خالی تھا، وہ دیکھنے کے لیے آگے ہوئی تب ہی
اس کی نظر جھولے پر رکھی گڑیا پر پڑی، یہ گڑیا ہاتھ کی
کارگیری سے کپڑے روئی اور دھاگے سے بنائی گئی
تھی، نخل کو جھولے پر پھیلے اس کے لمبے بال بھی دکھائی
دے رہے تھے، حیرت کی بات یہ تھی کہ بال بالکل اصلی
تھے جیسے کسی کے سر کے ہوں، وہ اس کے بال دیکھنے
کے لیے آگے جھکی اور ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، تب
اس کے اپنے کھلے بال شانوں سے ڈھلک کر آگے آ
گئے تب اس نے ایک نظر اپنے اور دوسری نظر گڑیا کے
بالوں پر ڈالی۔ اس نے زور سے جھری لی اس کے
اپنے بالوں کی ایک پوری لٹ کٹی ہوئی تھی، جو اس وقت
گڑیا کے سر پر بچی تھی، اس نے ڈرتے ڈرتے جھولے
پر پڑی گڑیا اٹھائی تو اس کے ہاتھوں میں جیسے کانٹے
سے اتر گئے وہ فوراً اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور پھر
سے جھولے پر جا گری اس نے خوف سے پھلی نگاہوں
سے گڑیا کے جسم میں جگہ جگہ پیوست سوئیاں دیکھی، اس
کا دل گواہی دے رہا تھا جیسے گڑیا ان سوئیوں کی

سے کہیں زیادہ تلخی اور کڑواہٹ اس کے اندر تک پہلے
سے ہی اتری ہوئی تھی۔ اس نے زیر و پا اور کی مدھم روشنی
میں بیڈ کے دوسرے کونے پر لیٹی نخل کو دیکھا، جو ناراضی
کی عملی تفسیر بنی ہوئی تھی، اس نے درمیان میں ایک چھوٹا
نکیہ بھی رکھ چھوڑا تھا۔ سامنے والی بلڈنگ میں کسی منچلے
نے ایف ایم ریڈیو کا کوئی چینل آن کیا ہوا تھا اور پورے
محلے کو بالکل مقت میں اپنی دیسی موسیقی سے محفوظ کر رہا
تھا۔ آدمی رات سے بھی بعد کے سناتے میں آواز بہت
واضح اور دوردور تک جا رہی تھی۔ جنید جمشید کی آواز میں
صرف اور صرف محبت بھری ہوئی تھی۔

او صنماں صنماں او صنماں

اب میری تہائی ہے آساں

تیری تصویریں تیری تحریریں

گھر میں میرے پھیلا ہوا ہے یہی ساماں

تیری آنکھوں میں جھانکتا ہوں

تیرے ہونٹوں سے پوچھتا ہوں

ان سے چھپاتا نہیں اپنا کوئی ارماں

او صنماں.....

صبح و شام بے قراری

نہ اس کے بعدرات بھاری

کیسے ہوا ہے میرے ہر در کا درماں

سلمان کے لبوں پر جانے کیوں ایک مبہم سی

مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔ کیسا قرار کیسا درد کا

درماں۔ بلکہ ہر گزرنے والا لمحہ جیسے اسے رفتہ رفتہ.....

جے جس پتار ہا تھا۔ وہ جو آزمائش میں ساتھ رہنے کا یقین

دلاتی تھی اب پاس رہ کر بھی میلوں کے فاصلے پر تھی۔

”دس از ناٹ فیر محل تمہیں میری فیلتگو کو بھی تو

سمجھنا چاہیے، کیا میں انسان نہیں؟ دکھ تکلیف صرف

تمہیں ہی ہوتی ہے؟ میرے اوپر تو جیسے کسی بات کا اثر

ہی نہیں ہوتا۔“ وہ بے خبر سوئی ہوئی نخل کی طرف دیکھتے

ہوئے سوچ رہا تھا۔ اچانک غصے کی تیز لہر نے اس کے

دماغ کو پہلی بار چھوا۔ وہ آہستگی سے بیڈ سے اتر اور

کمرے سے نکل آیا۔ سگریٹ کے کش لگاتا وہ گیلری

میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ گانے کی آواز اب یہاں اور بھی

زائل ہو گئی۔ وہ چھوٹی سی خوفزدہ بچی کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر لیٹ گئی اور وہ خود بھاری بھر کم ظالم دیوبن گیا جو اس بچی کی حفاظت کرتا ہے۔

وہ نخل کا ہاتھ پکڑ کر سہلاتے ہوئے نیند میں ڈوبا جا رہا تھا جب اچانک سے اسے اپنا سر اور پورا وجود بھاری ہوتا محسوس ہوا۔ لگ رہا تھا جیسے کوئی دھند اس کے دماغ کو جکڑ رہی ہے، یہ کیفیت لمحہ بھر کی تھی۔ پھر اس کا ذہن بھی مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

موسم میں ہلکی، ہلکی خشکی شامل ہونے لگی تھی، پچھلے کچھ دنوں سے گھر کے ایک کمرے اور کچھ مخصوص حصوں سے نخل کو جانے کیوں خوف آنے لگا تھا۔ وہ بیڈ روم میں جاتی تو اسے یوں لگتا جیسے اس کے سر اور کندھوں پر کسی نے بھاری بوجھ مسلط کر دیا ہے۔ شام ڈھلتے ہی اس کے رگ و پے میں عجیب سا خوف سرسرا نے لگتا۔ پھر ایک دن تو حد ہی ہو گئی کالے بادل اچانک بنی گھر آئے اور بارش شروع ہو گئی اوپر سے لائٹ بھی چلی گئی، نخل کا خوف سے برا حال تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے بہت ساری نا دیدہ آنکھیں اسے گھیر رہی ہیں، اس نے سلمان کو کال کی لیکن اس کا نمبر ہی نہیں مل رہا تھا، مارے ڈر کے اس نے رونا شروع کر دیا۔ اور فوراً اپنے پاپا کو کال کی۔

”پاپا مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں پلیز پاپا، سلمان..... بھی گھر نہیں آئے ہیں ابھی تک، یہاں کچھ ہے پاپا جلدی کریں پلیز میرے پاس آ جائیں“ فون پر اس کی ہچکیاں ہی نہیں رک رہی تھیں۔ نظامی صاحب پہلے ہی سلمان سے کبیدہ خاطر تھے کہ وہ ان کے گھر آ کر ان کے ساتھ رہنے کے لیے راضی نہیں تھا اور اب ان کی لاڈلی بیٹی زار و قطار رو رہی تھی اور وہ اسے اکیلا چھوڑ کر گھر سے غائب تھا۔

وہ ایک بیٹی کے باپ کی حیثیت سے سوچ رہے تھے انہیں یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ سلمان اگر اتنی محنت کر رہا ہے اور اس تنہا آبادی والے عام سے علاقے میں رہ رہا ہے تو نخل کے لیے ہی، اس کی ساری کوشش اور تنگ و دو

موجودگی سے تکلیف میں ہے، وہ اس کے اندر گڑی ساری سوئیاں نکالنا چاہتی تھی، اسی لیے اس نے کچھ جھجکتے ہوئے پھر سے اسے اٹھا یا تب پہلی بار اس نے گڑیا کے چہرے کو دیکھا، وہ اب محض کپڑے اور روئی کی گڑیا نہیں تھی بلکہ اس کا چہرہ ہو بہو نخل کا سا تھا۔

اس کے منہ سے خوف اور دہشت میں ڈوبی کر بناک چیخ نکلی۔ اور پھر چیخوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تا وقتیکہ نیند میں دھت سلمان بیدار ہو کر اس کے پاس نہیں آ گیا۔ نخل سخت خوفزدہ تھی۔ سلمان نے پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا جو وہ ایک ہی سانس میں بغیر رکے پی گئی۔

”یہاں کچھ ہے پر کیا ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ لگتا ہے جیسے کوئی دھند لا اندھیرا ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔“ وہ کمرے کو چاروں طرف سے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”بار مودی کم دیکھا کرو اور آیت الکرسی پڑھ کر سویا کرو، کچھ بھی نہیں ہے یہاں۔ سب نارمل ہے۔“ ”نہیں ہے نارمل کہا ناں یہاں کوئی انجانی شی قوت ہے جو مجھے اپنے اندر سمو لینا چاہتی ہے، آج میں نے دوسری بار وہی خواب دیکھا ہے، سلمان..... پہلے والے خواب میں گڑیا کا چہرہ گڈمڈ تھا لیکن اس بار بالکل واضح تھا، جانتے ہیں وہ میرا چہرہ تھا۔“ پھر وہ اسے پہلے دیکھے گئے خواب کی ساری تفصیل بتانے لگی۔

”پریشانی میں ایسے ہی خواب آتے ہیں، پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ سلمان نے اسے بہلایا۔ ”اور چلو شاباش اب سو جاؤ۔ پانچ بج رہے ہیں مجھے نو بجے آفس جانا ہے پہلے ہی کافی لیٹ سویا تھا، رہی سہی کسر تم نے پوری کر دی۔“ سلمان نے عام سے انداز اور سچے میں کہا پر نخل کو لگا جیسے وہ شکوہ کر رہا ہو۔

”آپ یہاں سو جائیں، مجھے عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔“ نخل کے چہرے پر اب بھی زردی کھنڈی ہوئی تھی، لگتا تھا خواب کے تاثرات اس کے اندر تک سما گئے ہیں۔ سلمان کو دکھ سا ہوا اس کا وجود جیسے پکھل کر پانی بن گیا، سونے سے پہلے اس کے دل و دماغ میں نخل کی طرف سے جو شکوے اور بدگمانی بھر گئی تھی یکا یک



ستمبر 2022ء

کے شارے کی

دلکش کہانیوں

کی ایک جھلک

خونی محافظ

معمولی حادثہ کبھی کبھی ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بن جاتا ہے..... بھرے پرے شہر میں دوڑتی بھاگتی لڑکی کی مشکلات..... **امجد رنیس** کے قلم سے

شعلہ زن

بے بسی کے اندھیروں میں ڈوبتی لڑکی کی دردناک داستان حیات.....

روبینہ رشید کے قلم کی جادوگری **دبیر**

دنیا مجبور کرتی ہے کہ ان پر قہر بن کر ٹوٹ پڑو..... ایک ایسے ہی نوجوان کی کوچہ گردی..... زندگی اس کے لیے خالی کھول کے مانڈتھی..... **حسام بیٹ** کے قلم سے نئی سلسلے وار کہانی۔

سورق کے رنگ

پہلارنگ

وقت کی بے رحم موجوں کی زد میں آجانے والوں کی دل گداز کہانی۔ **اسما قادری** کی جادوگری

دوسرا رنگ

پراسرار شہر میں شروع ہونے والی محبت کی کھٹانیاں **عبدالرب بسطی** کے قلم کی جادو انیاں

جیتنی تکتہ جیتنی

آپ کے تہرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں

اپنے گھر اور محل کے لیے ہی تھی۔ انہیں اس وقت اپنی اور اپنے دو بیٹوں کی خود غرضی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی، حالانکہ وہ اگر چاہتے تو سلمان جس مشکل میں گرفتار تھا اس مشکل سے اسے نکال سکتے تھے، سلمان نے ان سے مالی مدد کا تقاضا نہیں کیا تھا لیکن وہ چاہتے تو اسے ادھار بھی دے سکتے تھے لیکن ان کے خاندان میں تو رواج تھا کہ بیٹی کو ایک بار ہی جہیز کی شکل میں جو دینا دلانا ہوتا، دے کر ایک سائڈ پر کر دیتے۔ لیکن آج جب بیٹی کا روتے ہوئے فون آیا تو وہ اسی وقت برقی بارش میں ڈرائیور کو ساتھ لے کر محل کو اپنے ساتھ لے آنے کے لیے نکلے۔

وہ آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں سمیت گاڑی میں بیٹھے ساتھ ہی بالکل کسی بچی کی طرح ان سے لپٹ گئی۔ ”پاپا آپ اگر تھوڑی دیر تک اور نہ آتے تو میں مرجاتی۔ لائٹ چلی گئی ہے، مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔“ ”کیا سلمان نے ابھی تک یو پی ایس نہیں لیا؟“ نظامی صاحب کی آنکھوں اور آواز میں غصہ چھلکا۔ ”پاپا یو پی ایس تو لے آئے تھے وہ لیکن تین چار دن سے خراب ہے، انہیں ری پیم کروانے کا ٹائم ہی نہیں مل رہا۔“ محل نے فوراً بتایا۔ نظامی صاحب کچھ کہنا چاہے تھے لیکن محل کا چہرہ دیکھ کر چپ ہو گئے۔

☆☆☆

رات کے کھانے پر ماما اور دونوں بھابیوں نے خوب اہتمام کر رکھا تھا۔ محل نے بڑی رغبت سے کھانا کھایا ورنہ کافی عرصے سے اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی بھوک مرنے جا رہی ہے، سلمان کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھتی تو بے دلی سے لقمے توڑتی لیکن آج ممانے اصرار کر کے ایک، ایک چیز کھلائی اسے۔ کھانے کے بعد گرین ٹی پینا اس کا معمول تھا۔ وہ پی کر اپنے شادی سے پہلے والے کمرے میں آگئی۔ کیسی پرسکون سی ٹھنڈک اور طمانیت رگ و پے میں اتری تھی۔ گلاس وٹڈوز سے پردے ہٹے ہوئے تھے اور بارش کی بوندیں شیشے کی

کھڑکی سے پھسل رہی تھیں آسمان دن میں رات کا منظر پیش کر رہا تھا ایسے کالے گہرے بادل تھے اور انہوں نے جیسے آج لگا تار برسنے کی قسم کھالی تھی۔ اس کے کمرے کی کھڑکی سے لان کا سرسبز منظر دکھائی دیتا تھا۔

سب کچھ صاف ستھرا بارش میں دھلا نہایا تھا۔ اسے اپنا فلیٹ یاد آ گیا، جانے کیوں ایک سردی لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی اور ساتھ ہی سلمان کا خیال آیا۔ ”پتا نہیں ابھی تک گھر پہنچے ہوں گے کہ نہیں، بارش کتنی تیز ہے، کہیں راستے میں ان کی بائیک خراب نہ ہو جائے۔“ فکر مندی کے ساتھ بے ساختہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔

☆☆☆

وہ بلڈنگ کی میڑھیاں چڑھ رہا تھا ہر طرف اندھیرا تھا کیونکہ لائٹ نہیں تھی، وہ جیسے ہی موبائل ٹارچ کی مدد سے اپنے گھر کے دروازے کے سامنے پہنچا عین اسی وقت لائٹ بھی آ گئی۔ اس کا ہاتھ دستک دینے کے لیے اٹھا لیکن فوراً ہی گر گیا کیونکہ بند تالا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ حیرانی سے زیادہ اسے پریشانی تھی کہ اس وقت اس موسم میں نخل کہاں گئی۔ وہ تالا کھول کر اندر آیا۔ اور فوراً نخل کا نمبر ڈائل لسٹ سے نکالا۔ عین اسی وقت کھلے دروازے سے فریال اندر آ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسی کے انتظار میں ہے۔

”وہ ناں میں بہت معافی چاہتی ہوں آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ ادھر میں گھر میں گھسا اُدھر یہ یازل ہو گئی پر مجھے وہ بتانا ہے کہ“ فریال کے لہجے میں تجسس کو بڑھا دیتی سنسنی تھی۔ لیکن پریشانی میں سلمان کا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں۔

”جی میں کچھ سمجھا نہیں آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟“

”وہ جو نخل ہے ناں اپنے پاپا کے ساتھ چلی گئی، جب لائٹ ہو گئی تو وہ اسے لینے آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا، آپ کے گھر سے نخل کی اونچی آواز میں رونے کی آواز آرہی تھی، میں اس وقت پارلر میں تھی مجھے ایک پڑوسن نے بتایا۔ جب میں گھر آئی تو وہ روتے ہوئے ان دو لوگوں کے ساتھ میڑھیاں اتر رہی

تھی، موقع ایسا تھا کہ میں کچھ پوچھ ہی نہیں سکی۔“ فریال اسے فکر مندی لہجے میں سموئے بتا رہی تھی۔

”اچھا میں نے آج چائے کے ساتھ پکوڑے بنائے ہیں موسم بہت اچھا ہے ناں میں ابھی لے کر آئی آپ کے لیے دروازہ کھلا رہنے دیتا آپ۔“

فریال نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور غراب سے دروازے سے نکل گئی۔ وہ اسے منع کرنا چاہتا تھا لیکن وہ چھلاوے کی طرح آئی اور چلی بھی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ سچ سچ اس کے لیے چائے پکوڑے لے کر آ گئی۔ سلمان بارش میں بیٹکتا تھکا ہارا آیا تھا چائے دیکھ کر ہی اس کی تو جیسے ساری تھکن اتر گئی۔

”آپ چائے پی لیں پکوڑے بھی کھا لیتا۔ بعد میں برتن لے جاؤں گی۔ بہت پریشان ہوں گے آپ آج؟“ اس نے گہری نگاہ سلمان پر ڈالی وہ کچلے کپڑے بدل چکا تھا۔ اور اس وقت ایک عام سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں تھا۔ مگر یہ تو کوئی اس وقت فریال کے دل سے پوچھتا اس عام سے گھریلو حلیے میں بھی وہ کتنا خاص اور شاندار لگ رہا تھا۔ اس کے پسندیدہ پرفیوم کی مہک نے اس کے گرد ہالہ سایا رکھا تھا۔ اور ٹی شرٹ سے جھانکتے مضبوط مردانہ بازو اس کے ایک، ایک ارادے کو اور بھی پکا کر رہے تھے۔

”نہیں پریشانی کیسی بھلا۔“ وہ چائے کا کپ رکھ کر سرسری سے انداز میں بولا۔

”نمیرا مطلب تھا کہ نخل نہیں ہے ناں، آپ کو کھانے پینے کی تکلیف ہوگی کتنی۔“

”تکلیف کیسی ہوٹل ہے ناں میں جا کر کچھ لے آؤں گا۔“ سلمان اس کی موجودگی سے اب محض محسوس کر رہا تھا وہ چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ اس سے پہلے اس طرح تنہائی میں اس کی فریال سے کبھی بات چیت نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی آمنا سامنا۔

”نہ... نہ ہوٹل کیوں، میرے ہوتے ہوئے ایسا مت سوچنا ہم پڑوسی ہیں سو حقوق ہوتے ہیں ان کے۔ کھانے پینے کی فکر مت کرنا میرے ہوتے۔ میں کھانا

دے جاؤں گی۔ اچھا میں چلتی ہوں آپ کو نکل سے بات کی بھی جلدی ہوگی۔ میرا سلام دینا اب۔ کہنا بہت یاد آ رہی ہے اس کی۔ ویسے پوچھنا کب تک آئے گی واپس؟“ اس کے لیے بہت سارے سوال چھوڑ کر وہ چلی گئی تھی۔

☆☆☆

نخل کھڑکی میں کھڑی برستی بارش کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچے جا رہی تھی، کچھ دیر پہلے اس کی سلمان سے فون پر بات ہوئی تھی جس کا اختتام لڑائی اور نخل کی طرف سے ناراضی پر ہوا تھا۔ سلمان سیڑھیاں چڑھ کر جب اپنے گھر کے دروازے کے سامنے رکھا تھا تو تالا لگا دیکھ کر اس کے دل میں سوچ کے دسوے اور اندیشے پیدا ہوئے تھے پھر فریال نے... مبہم اور عجیب سے لہجے میں جو باتیں کی تھیں، اس وجہ سے وہ فکر مند تھا۔

اوپر سے نظامی صاحب نے بھی دے لفظوں میں ہی سہی اسے جتا دیا تھا کہ وہ ان کی لاڈلی بیٹی کا ڈھنگ سے خیال نہیں رکھ پارہا ہے۔ پھر نخل کے شکوے، آخر میں فون بھی اس کی طرف سے بند ہوا خدا حافظ کہے بغیر۔ وہ انتشار کے عالم میں اپنے سر کے بال مٹھی میں جکڑتا وہیں صوفے پر ڈھے سا گیا۔ پھر فوراً ہی عازنہ بھابی کی کال آگئی، انہوں نے چھوٹے ساتھ ہی سوال کیا۔ ”نخل تم سے لڑ کر تو نہیں گئی؟“ سلمان ہکا بکا ہو گیا، اسے لگ رہا تھا کہ نخل کی عازنہ بھابی کے ساتھ بھی فون پر آج ہی یہاں سے جانے کے بعد بات ہوئی ہے، اسے شدید قسم کا تاؤ آیا، وہ کیوں اپنی ذاتی ناراضی کو اوروں کے ساتھ ڈسکس کرتی پھر رہی تھی۔

نخل کے ساتھ شادی کے بعد وہ جب بھی بابا کی طرف جاتا اکثر نوٹ کرتا کہ عازنہ بھابی نخل کو عجیب شعلے برساتی نگاہوں سے گھورتی ہیں۔ ایسا تین چار بار ہو چکا تھا۔ نخل سادگی میں سلمان کے کاروبار سے متعلق ہر بات بھی انہیں بڑے آرام سے بتا دیتی تھی، یہاں تک کہ سلمان نے جو پلاٹ لیا تھا جو بعد میں فوراً ایک بھی گیا تھا نخل نے وہ بھی انہیں بتا دیا تھا، سلمان کی چھوٹی سے چھوٹی بزنس اچیومنٹ اس کی اپنے لیے

وارثی..... اس نے کسی شے کا بھی پردہ نہیں رکھا تھا۔

دو تین بار وہ وہاں جب بابا زندہ تھے کچھ دنوں کے لیے رہنے بھی رکے تھے، تب ہی نخل نے جو میلے کپڑے اتارے تھے عازنہ بھابی نے بھداصرار واپس نہیں لانے دیے تھے، انہوں نے ماسی سے دھلوا کر نخل کے حوالے کیے تھے لیکن اس کے تین سوٹوں میں سے ایک کی شلوار اور ایک کا دوپٹا غائب اور ایک کی شرٹ کا پیچھے سے ایک حصہ کٹا ہوا تھا۔ نخل نے اسے سرسری سا بتایا تھا کہ بھابی کی ماسی نے اس کے کپڑوں کا برا حشر کر دیا ہے۔ پھر بعد میں بہت جلدی وہ بھول بھال گئی۔ لیکن عازنہ بھابی کی شعلے برساتی نگاہیں اس کے لاشعور سے چپک سی گئی تھیں۔

”ارے نہیں بھابی کیسی لڑائی، بھلا ہم کیوں لڑیں گے، بس اپنے پاپا کی طرف جانے کا اس کا دل کر رہا تھا تو چلی گئی، اس میں لڑائی والی تو کوئی بات ہی نہیں۔“ اس نے سنبھل کر مسکراتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ تم تو اتنے سویٹ ہو بھلا کیسے لڑو گے نخل سے، اور پتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ کاش احمد پر بھی تھوڑا سا تمہارا اثر ہو جائے۔“ اس نے حسرت بھری آہ بھری۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہارا کام کیسا چل رہا ہے؟“ عازنہ بھابی نے فوراً دوسرے موضوع پر سوال داغ دیا۔

”تمہارا دل کیا کہتا ہے کب تک اس گرداب سے نکلو گے؟“ وہ سوال پر سوال کر رہی تھیں۔ اور اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔

”اچھا ایک بات بتاؤں لیکن کسی کے سامنے ذکر مت کرنا۔“

سلمان فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پہلے ہی وہ ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا اب پتا نہیں عازنہ بھابی کون سا انکشاف کرنے والی تھیں۔

”پتا ہے میں نے اور احمد نے کچھ دن پہلے فاطمہ بھابی اور اکمل بھائی سے کہا کہ سلمان اور نخل کو ادھر ہی بلا لیتے ہیں مل جل کر گزارہ کر لیں گے لیکن ہماری تو کسی

جو اس موسم میں بھی اپنے ساتھ اوروں کو بھی خواہ مخواہ اداس کرنے کے موڈ میں تھا۔

تم دور تھے تو کیا ہوا
تم مل گئے تو کیا ہوا
ویرانیاں کم نہ ہوئیں
تھا تھا میں تنہا رہا

حیدر جمشید کی آوازیں رات کا اندھیرا دلوں کا جادو اور کچھ دیر قبل نخل سے ہونے والی لڑائی نے اسے قنوطیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ گیلری کی طرف بڑھ گیا جہاں سے آواز اور بھی واضح ہو رہی تھی۔

اسے کچھ خبر نہیں ہوئی کہ فریال کب کھانے کی ڈھکی ٹرے لے کر آئی۔ وہ ہلکا سا اس کے پیچھے کھانسی تب اسے پتا چلا۔ وہ حیرت سے مڑا تو مسکرائی فریال سامنے کھڑی تھی۔

”یہ کھانا لائی ہوں، بہت عرصے بعد چکن کا سالن بنایا ہے تو سوچا آپ کو دے آؤں کیونکہ آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔“ اس نے ٹرے ایک طرف رکھی نیبل پر دھری۔ اور مڑ کر سلمان کو بڑی بھرپور بھید بھری نگاہوں سے دیکھا۔ سلمان کی شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اسے اس حلیے میں اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ ورنہ اس کی جامہ زیبی میں لپٹی مردانگی نے ہی تو فریال کو سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ عام طور پر بھی جب گھر سے باہر جانے کے لیے نکلتا بالکل نک سکے سے تیار ہو کر خود پر ڈھیروں پرفیوم چھڑک کر نکلتا، اس کے پاؤں میں باہر جاتے ہوئے کبھی فریال نے گھر کے عام استعمال کے چپل نہیں دیکھے، اس کی کلائی پر قیمتی مردانہ گھڑی ہوتی اور آستین کے ساتھ شرٹ کے بٹن بھی سارے بند ہوتے، اس معاملے میں وہ حد درجہ احتیاط اور نفاست پسند تھا۔ فریال جب بھی ان کے گھر آتی نوٹ کرتی کہ وہ عام سے لفٹ کے ٹھکرے کی طرح اسے نہیں گھورتا، جب تک وہ نخل کے پاس بیٹھی رہتی وہ تو کمرے کا دروازہ کھول کر ان کی طرف جھانکتا تک نہیں تھا اور آج پہلی بار فریال نے اسے کھلے بٹن کی شرٹ کے ساتھ دیکھا

نے سنی ہی نہیں، اکمل بھائی کہنے لگے یہاں جگہ ہی کہاں ہے، ورنہ بابا انہیں پہلے ہی یہاں نہ بلوا لیتے۔ احمد نے کہا پہلے کی بات اور کبھی اب ہمارا چھوٹا بھائی انتہائی نچلے درجے کے علاقے میں رہ رہا ہے مجھ سے تو دیکھا نہیں جاتا، یہاں اگر وہ ہمارے ساتھ رہ لے تو کم سے کم اس کا کرایہ تو بچ جائے گا۔ لیکن ہماری تو کسی نے سنی تک نہیں۔“

”بھابی ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے اکمل بھائی، ویسے بھی میں جہاں ہوں خوش ہوں۔ آپ ٹینشن کیوں لیتی ہیں۔“ عازہ اپنی رو میں بولتی جا رہی تھی، سلمان نے اسے نرمی سے بول کر اسے خاموش کروا دیا۔

”تم خوش ہو پھر نخل تو خوش نہیں ہے ناں۔ اچھا وہ تم نے بتایا ہی نہیں اپنے کام کا۔ کیسا چل رہا ہے؟“ انہیں پھر سے یاد آ گیا تھا کہ انہیں اپنے سوال کا جواب نہیں ملا۔

”بس بھابی دعا کریں، اچھا چلیں ٹھیک ہے پھر بات کروں گا ابھی ایک کام بھی کرنا ہے، اللہ حافظ۔“ سلمان نے انہیں مزید کوئی سوال کرنے کا موقع

دیے بغیر فون بند کر دیا۔

عجیب سی ٹھن اور جلن اس کے اندر بھرتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے پہنے ہوئے کپڑوں پر نظر دوڑائی، جب وہ بارش میں بھٹکتا ہوا آفس سے گھر پہنچا تھا تو اس کے کپڑے مکمل طور پر گیلے ہو چکے تھے۔ عام طور پر وہ آفس سے گھر واپسی پر سب سے پہلے نہادھو کر کپڑے چنچ کر لیتا لیکن آج اسے ابھی تک موقع ہی نہیں ملا تھا، ابھی اس کی پہنی ہوئی شرٹ خشک ہو چکی تھی اور پینٹ تھوڑی سی گیلی تھی۔ اس نے موبائل رکھ کر وہیں کمرے میں کھڑے، کھڑے شرٹ کے بٹن کھولے۔ ان کے سامنے والی اپارٹمنٹ بلڈنگ کا پڑوسی بارش رکھتے ہی اپنا موسیقی کا شوق پورا کرنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے گھر سے اکثر اداس گانے بجنے کی آواز ہی آتی حالانکہ آج موسم کتنا حسین تھا، بہت عرصے بعد بارش ہوئی تھی جس نے گلیوں، بازاروں، کھڑکیوں، دیواروں چوہاروں کی ساری گرد دھواڑالی گھی پر اس موسیقی کے متوالے کو جانے کیا دکھا تھا۔

سلمان نے اس کے باہر نکلتے ہی سب سے پہلے اندر سے دونوں دروازے لاک کیے۔

فریال کی باتیں اور شخصیت متضاد رنگ لیے ہوئے تھیں۔ سلمان کا اس کے شوہر سے سیرھیوں پر آتے جاتے اور بلڈنگ کے منتظم کی طرف سے بلائی گئی میننگ میں کئی بار آنا سامنا ہوا تھا۔ میننگ بلڈنگ کی چھت پر ہوتی تھی۔ اس کا شوہر سہیل کافی مسکین اور دبی ہوئی شخصیت کا مالک تھا۔ کھلے گھیر کی صاف ستھری قمیص شلوار میں ملبوس قدرے صاف رنگت لیے وہ کافی بے ضرر انسان دکھائی دیتا تھا۔ ایسا انسان جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، جو ماحول کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس کا حصہ نہ لگے۔

فریال کے جانے کے بعد اسے گھر پر چھایا جمود ٹوٹا محسوس ہوا ساتھ ہی سکون کا احساس بھی۔

☆☆☆

مما، پاپا دونوں نے نفل کو کہا تھا کہ جب تک تمہارا دل چاہے یہاں آرام سے رہو، ساتھ ہی ان دونوں میاں، بیوی کا ارادہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح سلمان کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں رہنے کے لیے راضی کر لیں، خاص طور پر مسز نظامی تو اپنی لاڈلی کو اس کے شوہر کے گھر میں بھیجنے کے حق میں ہی نہیں تھیں کیونکہ نفل نے خوفزدہ تاثرات کے ساتھ انہیں بتایا تھا کہ اس کے گھر میں کوئی نا دیدہ طاقت ہے یا کچھ ضرور ہے جس کی وجہ سے وہ ڈرنے لگی ہے اور اس کا دل چاہتا ہے اس گھر سے کہیں دور چلی جائے۔ مسز نظامی بھوت پریت آسیب وغیرہ پر یقین نہیں کرتی تھیں ان کا خیال تھا کہ نفل، سلمان کے مالی حالات کی وجہ سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو گئی ہے۔

لیکن درپردہ کیا تھا اللہ ہی بہتر جانتا تھا۔

نفل کو یہاں آئے چھ دن گزر چکے تھے، اور سلمان کے ساتھ شادی کے بعد پہلی بار ایسا ہوا تھا جو وہ شوہر سے الگ اتنے دنوں سے نہیں تھی، جیسے ہی پاپا کے گھر رہنے کے ارادے سے آتی سلمان کے فون پر فون آنا شروع ہو جاتے اور اکثر تو وہ اسے لینے کے لیے خود ہی آ جاتا لیکن اس بار اس نے نہ تو کوئی فون کیا

تھا۔ اسے کیا خبر کہ وہ کپڑے تبدیل کرنے کے بجائے بے دھیانی میں گیلری میں جا پہنچا تھا۔ فریال اسے جن نگاہوں سے دیکھ رہی تھی وہ کسی عام سی شریف گھریلو عورت کی نگاہ نہیں تھی۔ ”مجھے لگ رہا ہے آپ کی نفل کے ساتھ لڑائی ہو گئی ہے تب ہی اتنے اداس ہیں..... تم دور تھے تو کیا ہوا تم مل گئے تو کیا ہوا۔“ فریال نے سانس بچھ کر گلوکار کے ساتھ ڈہرایا۔

”ہاں بعض چیزیں ناقدروں کے ہاتھ لگ جاتی ہیں اور اس چیز کے صحیح حقدار، قدردان منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ فریال کے لہجے میں اچانک افسردگی اتری تھی۔ اس بار سلمان نے جب سے وہ یہاں آیا تھا پہلی بار اس کی طرف مکمل ہوش و حواس کے ساتھ اپنی مرضی سے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں افسردگی کے ساتھ وحشت و جنون کا ٹھانھیں مارتا سمندر تھا۔

”آپ کا بہت شکریہ خواہ مخواہ میرے لیے اتنی زحمت کی۔ اپنی دین میں برتن خود بھجوا دوں گا۔“ اس نے فریال کی گرد چھائی ہوئی وحشت کا حصار کا توڑنا چاہا۔ ساتھ ہی اس نے اس کی طرف سے رخ پھیر کر شرٹ کے بٹن بند کیے۔

”اتنے اچھے تو لگ رہے تھے آپ، ولے ہر مرد مجھے اس طرح اچھا نہیں لگتا۔ سہیل اس طرح گھر میں گھومتا پھرتا ہے ناں تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ لیکن آپ پر تو سب کچھ سوٹ کرتا ہے۔“ اس نے بے تکلفی کی طرف ایک اور قدم بڑھایا۔

”اچھا ایک بار پھر میری طرف سے تھینک یو، میں کپڑے چنچ کر کھانا کھاؤں گا، آپ جائیں۔“ مہذب الفاظ میں وہ اسے یہی کہہ سکتا تھا۔

”نہیں بالکل بھی نہیں، اب میں خود جاؤں گی نہ تمہیں یہاں سے جانے دوں گی۔“ فریال نے یہ الفاظ اپنے دل میں سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔ اس کے بعد بغیر کچھ کہے وہ کھلے دروازے سے نکل گئی بالکل مطمئن، پرسکون ہو کر جیسے سلمان نے اس کی دھڑکنوں پر لکھے یہ حرف پڑھ لیے ہوں۔

تھا اور نہ ہی اسے لینے آیا تھا۔ یہ بات نخل کو کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس کا دل ہلکا ہلکا جیسے سلمان کی طرف سے کھینچنے لگا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا بچ کر کے لان میں بیٹھی ہوئی تھی جب خیالوں کی روسلمان کی طرف خود بہ خود ہی مڑ گئی، اس نے دل کو ٹولا وہاں تو اندر گہرائی تک سلمان ہی سلمان تھا، اچانک اس کا دل چاہا اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے۔ بلکہ جب سے وہ یہاں آئی تھی اس کے دل میں اس کے لیے وہی پرانے جذبات پھر سے بیدار ہو گئے تھے، ورنہ تو جیسے سلمان کی شکل تک دیکھنا اسے گوارا نہیں تھا۔

اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے آنا فانا گھرواپسی کا قصد کیا اور ماما کو اپنے ارادے سے آگاہ کرنے سے پہلے اس نے اپنے ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی نکال لے وہ پندرہ منٹ میں چھینچ کر کے بس ابھی آئی۔

”ماما میں گھر جا رہی ہوں ڈرائیور کے ساتھ“ اس نے ہونٹوں پر از سر نو لب اسٹک لگاتے ہوئے آگاہ کیا اور ساتھ ہی لب اسٹک بیگ میں ڈال کر اسے کندھے پر لٹکا لیا اور ماما کے چہرے پر پیار بھرا بوسہ ثبت کیا۔ وہ بھاگنے والے انداز میں باہر دروازے کی طرف بڑھی۔

”اللہ حافظ ماما، ٹیک کیئر، میں بہت جلد سلمان کے ساتھ آؤں گی۔ اور سارا دن آپ کے ساتھ گزاروں گی۔ بائے بائے ماما۔“ وہ ساتھ ہی ہوائی بوسہ اچھالتی آگے بڑھ گئی۔ مسز نظامی ارے، ارے کیوں جا رہی ہو کیا ہوا، رکو ہی کہتی رہ گئیں..... لیکن انہیں اپنی لاڈلی بیٹی کی طبیعت کا بھی پتا تھا وہ ایسی ہی تھی، من میں اچانک سے جو سما جائے کر کے چھوڑتی، ابھی بے شک وہ لاکھ اس کی منتیں کرتی کہ مت جاؤ پر اس نے رکتا نہیں تھا۔

نظامی صاحب سے صبح ناشتے کی ٹیبل پر ہی تو ان کی بات ہوئی تھی، ان کا ارادہ سلمان سے دو ٹوک بات کرنے کا تھا اگر وہ ان کے ساتھ رہنے کے لیے نہیں مان رہا تھا تو اسے نخل کے لیے کوئی اور بندوبست کرنا ہو گا، ورنہ وہ اسے کسی صورت بھی سلمان کے ساتھ نہیں

بھیجیں گے۔

باپ کی سوچ کچھ اور تھی اور بیٹی چلتی ہوا سے الجھنے والوں میں سے تھی، مسز نظامی شش و پنج میں تھیں کہ شوہر نخل کے جانے کی کیا وضاحت دیں گی۔

☆☆☆

نخل نے گاڑی میں بیٹھے، بیٹھے ہی سلمان کو کال کی، ادھر سے خوشگوار حیرت کے ساتھ فوراً رسیو کی گئی۔ ”اسلام علیکم مائی ڈیئر کیسی ہو؟ آئی مس پوسو مچ۔“ سلمان کے لہجے میں نرمی اور ہلکا وارفتگی تھی، نخل کا دل پانی بن کر بہہ گیا۔

”میں گھر پہنچنے والی ہوں بس پانچ منٹ لگیں گے اور.....“ اس نے جواب بھی اتنی ہی نرمی سے دیا۔

”کون سے گھر؟ اپنے یا.....؟“ سلمان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ آیا وہ جو سمجھ رہا ہے وہی ہے۔

”اپنے گھر سلمان..... اچھا آپ کب تک آئیں گے بائی داؤنے!“

”آ جاؤں گا زیادہ انتظار نہیں کرواؤں گا۔“ نخل نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر تالا کھول کر وہ گھر میں داخل ہوئی تو دل پھر سے کسی انجانے سے خوف کے شکنجے میں آ گیا۔ اس نے فوراً کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اپنے کمرے کی کھڑکی پر پڑے پردے ہٹائے اور پھر دوسرے کمرے میں گیلری کی سمت کھلنے والا دروازہ اور کھڑکی کھولی تو کچھ سکون کا احساس ہوا۔ گھر صاف تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی سلمان نے آفس جانے سے پہلے بیڈ کی چادر اور ٹیکے تک ٹھیک کر کے رکھے تھے۔ پھر وہ چھوٹے سے کچن میں آئی وہاں پلاسٹک کے برتنوں کے اسٹینڈ میں دوئی پلٹیں پڑی تھی، اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے جانے سے پہلے یہ دو پلٹیں برتنوں کے اسٹینڈ میں نہیں تھیں، ساتھ ہی چٹگیر میں ایک روٹیاں لپیٹنے والا دسترخوان بھی تھا یہ بھی اس کے لیے نیا تھا۔ اس نے نہ سمجھنے والے



آہ نیرہ نور!

بلبل پاکستان کا خطاب پانے والی اور صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے سرفراز..... ایک لیجنڈری شخصیت، بہترین گلوکارہ نیرہ نور اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ دلی رنج و غم سے یہ خبر سنی اور بڑھی گئی۔

نرم و لطیف سُرور کی ملکہ، جیسی آواز میں گفتگو کرنے والی، سادہ مگر وضع دار شخصیت کی مالک نیرہ نور اپنے نام کے مصداق تھیں۔ کافی عرصے سے وہ گلوکاری سے کنارہ کش ہو گئی تھیں..... کسی ٹی وی پروگرام میں بھی شاؤ ہی نظر آئیں۔ اچانک بیماری کی خبر آئی اور فوراً انتقال کی بھی..... جان تو سب کو دینی ہے مگر جانے والوں کی خوشگوار یادیں اور کام انہیں زندہ رکھتے ہیں۔

بھی ہم خوب صورت تھے کتابوں میں بسی خوشبو کی مانند سانس ساکن تھی..... گاتے، گاتے یہ سانس واقعی ساکن ہو گئی۔

آج اہل وطن ان کا گایا ملی نغمہ ”اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں.....“ گاتے، گاتے یوم آزادی مناتے ہیں۔ ہم چند سطریں لکھ کر ان جیسی نامور، ستیوں کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ نیرہ نور کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا کرے اور لواحقین اور ان کے مداحوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

انداز میں شانے اچکا دئے۔

☆ ☆ ☆

سلمان نے ایک سگنل پر بایک روکی اور سائڈ پر موچے کے گجرے فروخت کرتے دس بارہ سال کے بچے کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا، بچہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آ گیا، سلمان نے اسے نکل کے لیے گجرے لیے اور جیب سے پیسے نکال کر اسے دیے۔ اتنے میں سگنل کی بتی لال سے ہری ہو گئی تو اس نے بایک کو کک لگائی اور سرمستی میں ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہو گیا۔

وہ فوراً سے بھی بیشتر گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ جہاں اس کی جان جاں اس کا انتظار کر رہی تھی۔

بے تابی سے وہ اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگا، اس کے ساتھ ہی فریال بھی بلڈنگ کے مرکزی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اس نے سلمان کو بایک سے اترتے دیکھ لیا تھا، وہ آج پارلر نہیں گئی تھی، اسے ایک اور جگہ کام سے جانا تھا۔ اور وہ ابھی وہیں سے ہو کر آرہی تھی۔ فریال نے تیزی سے اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں طے کرنی شروع کی، پانچویں منزل پر پہنچنے سے پہلے سلمان کی لاشعوری طور پر اس پر نظر پڑی وہ اسے دیکھ کر جی جان سے مسکرائی پر سلمان نے جواب میں کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں دیا۔ فریال اپنے شانے پر لٹکے بیک کو تھپتھا کر پراسرار انداز میں مسکرائی۔ اسے یقین تھا کہ سلمان کا چہرہ اب زیادہ دن بے تاثر رہنے والا نہیں تھا۔ اس بیک میں اس کے سینے میں جلتی سلگتی خواہش کا سامان تھا، اس یک طرفہ محبت کا درماں تھا جس میں فی الحال وہ ابھی تک اکیلی ہی تھی۔ لیکن بہت زیادہ وقت کے لیے نہیں۔ سلمان نے بہت جلدی اس کی خوابوں کی وادی میں اس کے ساتھ ہونا تھا۔

سلمان اور فریال دونوں اپنے، اپنے گھروں کے دروازوں کی سمت بڑھے، فریال نے اپنے دروازے پر دستک دی اندر سے اس کی بڑی بیٹی نے دروازہ کھولا، فریال نے مڑ کر کوچہ جاناں کی طرف دیکھا دروازہ اندر سے کھلا تھا، اس نے نکل کے تازک سے ہاتھ کی جھلک دیکھ لی تھی، حسد کی ایک کاٹ ڈالنے

والی چھین اسے دل تک محسوس ہوئی۔

☆☆☆

وہ سلمان کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ اسے خالی، خالی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، جیسے کل اس کے لیے پوی کے بجائے کوئی اجنبی عورت ہو، کچھ ایسی ہی حالت خل کی بھی ہو رہی تھی، اسے لگ رہا تھا یہ وہ والا سلمان ہے ہی نہیں جس کے لیے اس کا دل اس کے گھر آنے سے بیشتر نرم گرم محبت کے جذبات سے مزین تھا۔

اور ادھر سلمان، خل کو بے تاثر دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے پاپا کے گھر سے بڑا مہنگا لان کا جوڑا پہن کر خوب تیار ہو کر بن ٹھن کر آئی تھی لیکن سلمان کو اس میں کسی قسم کی کوئی کشش محسوس نہیں ہو رہی تھی، ادھر خل کو لگ رہا تھا جیسے سلمان کا چہرہ اچانک کسی بھیڑیے کے چہرے میں بدل گیا ہو۔ وہ بدک کر بیڈ پر پیچھے ہٹی اور پھر نیچے اتر گئی، اسے سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا، لیکن اس نے دل مضبوط کر کے کن آنکھوں سے اسے دیکھا لیکن اب اس کا چہرہ پہلے والی حالت میں تھا۔ خل نے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود کو پرسکون کرنا چاہا اور پھر سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ سلمان اچانک سے اسے دور ہو کر بیڈ کے دوسرے سرے پر بیٹھ گیا اور اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ اسے اچانک خل سے بدبو آئی تھی، وہ کوئی بہت ہی غلیظ... بدبو تھی، جیسے اس کے سامنے خل نہ ہو کوئی مردار ہو۔

سلمان نے آنکھیں بند کر کے خود کو پرسکون کیا اور لمبی سانس اپنے اندر کھینچی، اب سب کچھ نارمل تھا خل کے پاس سے کسی بھی قسم کی کوئی بھی بدبو نہیں آرہی تھی لیکن اس کے دل میں پختہ تمام جذبات دم توڑ چکے تھے۔

”ایک دوست نے ایک گھر کا بتایا ہے مجھے، کل میرے ساتھ چل کر دیکھ لینا، اگر تمہیں پسند آجائے تو یہاں سے شفٹ کر لیں گے۔“ اس نے خل سے نظر چرا کر کہا۔

”ریلی آپ مذاق تو نہیں کر رہے میرے ساتھ؟“ خل اچانک سے خوش ہو گئی پر اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

”میں ایسے مذاق کرنا پسند نہیں کرتا، اچھا تم سو جاؤ مجھے آفس کا ایک کام کرنا ہے۔“ وہ سپاٹ لہجے میں

بتا رہا تھا۔

”سلمان..... پلیز مجھے ڈر لگتا ہے اس کمرے سے.....“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”اوکے میں اپنا لپ ٹاپ یہیں لے آتا ہوں۔“ اس نے فوراً مصلحانہ راستہ اختیار کیا۔

☆☆☆

اندھیرا سا جنگل تھا وہ مسلسل بھاگ رہی تھی، ایک بھیڑیہ اس کا پیچھا کر رہی تھی، بھاگتے ہوئے اسے ایک کھنڈر نما کمراد کھائی دیا وہ ہانپتی ہوئی اس میں گھس گئی، سانس درست کر کے اس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی تو اسے ابکا کی آگئی، جس جگہ وہ کھڑی تھی وہ ٹوٹا پھوٹا واش روم تھا، نیچے کالے فرش پر ہر طرف انسانی غلاظت بکھری پڑی تھی۔ اس نے باہر نکلنے والے راستے کی طرف دیکھا تو وہی کالی بھیڑیہ اس کا راستہ پوری طرح روکے کھڑی تھی۔ بھیڑیہ اسے بالکل کسی انسان کی طرح کینہ توڑ نگاہوں سے گھور رہی تھی، وہ اسے جان سے مارنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ خل نے بجائے کے لیے ایک چیخ ماری۔ فوراً ہی اس کی آنکھ کھل گئی، سلمان اس کا بازو پکڑے اس پر جھکا ہوا تھا جبکہ خل کی آنکھیں وہ عجیب سا خواب دیکھنے کے بعد خوف سے پھیل سی گئی تھیں۔

”کیا ہوا خواب میں ڈر گئی کیا؟“ وہ اندیشوں سے بھرا ہوا تھا۔

خل اس کا بازو آخری سہارے کی طرح تھام کر روتے ہوئے دکھائی دیا۔ ”اب خواب اسے سنانے لگی۔“

☆☆☆

سلمان بیدار ہو چکا تھا اور خل کچن میں اس کے لیے ناشتا بنا رہی تھی جب فریال پلیٹ سے ڈھکی کٹوری میں کھیر لے کر آگئی۔

”شکر ہے میری گڑیا تمہاری شکل نظر آئی ورنہ تو ترس گئی تھی میں، اچھا میاں سے ناراض ہو کر گئی تھی ناں؟“ اسے تپاک سے گلے مل کر وہ فوراً ہی آہستہ آواز میں پوچھنے لگی۔ انداز میں رازداری تھی۔

”بس ایسا ہی سمجھ لیں، مجھے یہ گھر پسند نہیں، اس لیے پاپا مجھے لے گئے تھے۔“ خل نے چائے میں دودھ

ہیں، جب ان کی مجبوری ختم ہوگی تو یہاں سے چلے جائیں گے، اور بھلا پھر سلمان کیوں؟“
روبی بولتے، بولتے چپ ہو گئی۔ لیکن فریال اس کے ادھورے جملے کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ یعنی روبی اسے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ سلمان اتنی حسین پرہیزگار لکھی اچھے خاندان سے تعلق رکھنے والی بیوی کے ہوتے تمہیں کیوں گھاس ڈالے گا۔
”بس مجھے نہیں پتا روبی، مجھے سلمان ہر حال میں

چاہیے.....“
”بچی مت، بنو، تمہارا شوہر ہے، بچے ہیں، کیا کرو گی؟“
”سلمان مجھے مل جائے ناں تو میں سب کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں دیوانگی نمایاں تھی۔ روبی تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

سلمان صبح کا نکلا شام کو گھر میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔ آتے ساتھ ہی وہ نہانے گھسا اور کپڑے بدل کر نل کو اپنے پاس بلایا۔
”بیٹھو۔“ اس نے صوفے پر اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کا چہرہ انتہا کا سنجیدہ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پریشانی، فکر مندی کی چمک نمایاں تھی، نخل قدرے فاصلے پر کچھ سوچتی ہوئی ٹک گئی، سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے مزید قریب کر لیا اور پھر اس کا ہاتھ دوستانہ انداز میں دبایا اور ساتھ ہی سوال کیا۔

”نخل کیا میری طرح تمہیں بھی یہ محسوس ہوا ہے کہ ہمارا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے، اس کی خوب مورتی دم توڑتی جا رہی ہے اور ہم بہت تیزی سے ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں؟“ نخل کی آنکھوں کی پتلیاں اس کے سوالوں پر پہلے پھیلیں اور پھر اچانک سکڑ گئیں، اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے تمہارے خیال میں؟“ سلمان جیسے جکسا پزل کے ٹوٹے حصے جوڑنا جا رہا تھا۔

”یہ گھر.....“ نخل نے بغیر کے جھکے جواب دیا۔
”کسی حد تک تمہارا جواب درست ہے کیونکہ اس گھر، اس علاقے میں آنے کے بعد ہی ہمارے بیچ

ڈالتے ہوئے اسے بتایا۔

”اچھا پھر؟“ فریال تیزی سے بولی، لہجہ میں بھرپور تجسس نمایاں تھا۔
”پھر یہ کہ سلمان صاحب کو کسی نے ایک گھر کا بتایا ہے، ایک آدھ دن تک دیکھیں گے اور اللہ نے چاہا تو بہت جلدی یہاں سے چلے جائیں گے۔“ نخل چائے میں چینی ڈالتے ہوئے بے نیازی اور صاف دلی سے بتا رہی تھی۔

”میری گڑیا میں تمہیں یہاں سے نہیں جانے دوں گی۔“ آف فریال کے لہجے میں ریڑھ کی ہڈی تک میں سنساہٹ دوڑانے والی ٹھنڈک تھی، سلمان نہا کر آچکا تھا اور اس نے سب سن لیا تھا لیکن نخل نے شاید دھیان نہیں دیا تھا۔

”نخل ناشتا بن جائے تو کمرے میں دے جاؤ مجھے۔“ سلمان فریال کی طرف دیکھے بغیر نخل سے مخاطب تھا۔
”اچھا یہ میں کھیر لائی تھی، اپنی گڑیا کے لیے، یاد سے کھا لیتا۔“ اس کا روئے سخن نخل کی طرف اور نگاہ کمرے میں جاتے سلمان پر لگی تھی۔

فریال اس کے بعد وہاں رکی نہیں اپنے گھر آ گئی۔ اس کی نگاہیں اپنی کامیابی کے احساس سے جگمگا رہی تھیں۔

سلمان اور نخل جب سے اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں آئے تھے تب سے وہ ان کے پیچھے تھی بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ سلمان کے پیچھے تھی، اس نے روبی باجی سے اپنے دل کا حال نخل کو بیان کیا تھا، ان کے گلے لگ کر روئی تھی۔

”روبی باجی میرا اس پر دل آ گیا ہے میں کیا کروں کہاں جاؤں، اگر ایسا ہی چلتا رہا تو میں گھٹ گھٹ کر کسی دن مرجاؤں گی۔“

”پاگل تمہاری خواہش کسی دیوانے کا خواب لگتی ہے، نخل کو ذہن کیا ہے میں نے، ملی ہوں اس کے ساتھ، اس کا باپ بہت امیر ہے اور سلمان بھی اچھا خاصا ہے، دونوں میاں بیوی اپنی مجبوری کی وجہ سے یہاں آئے

دوریاں بڑھنی شروع ہوئیں۔ لیکن اس کا آغاز یہاں آنے سے بھی پہلے شروع ہو گیا تھا۔“ سلمان کا اشارہ جانے کس طرف تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”کیا مطلب یہاں آنے سے بھی پہلے؟“

”ہاں میں نے یہی کہا ہے یہاں آنے سے بھی پہلے اور یہاں آنے کے بعد اس میں ایک اور کیل ٹھوکی گئی۔ تم پچھلے ہفتے جب اچانک اپنے پاپا کے گھر چلی گئیں تو میں نے بہت سوچا کہ میرا دل و دماغ تمہاری طرف سے ابھن کا شکار کیوں ہے، جب میں گھر سے باہر ہوتا تھا تاں تو تمہارے بارے میں میرے خیالات بڑے حسین اور محبت بھرے ہوتے تھے میں چاہتا تھا فوراً سے بھی بیشتر اڑ کر اپنے گھر پہنچ جاؤں لیکن گھر آتے ساتھ اور تمہیں دیکھ کر مجھے تم سے جڑ اور بیزاری ہونے لگتی کبھی، کبھی تو یہ نفرت کی انتہا پر پہنچ جاتی۔ رکیں، رکیں سلمان صاحب سنیں بالکل آپ کی طرح میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے، آپ کے گھر سے باہر جاتے ساتھ ہی میں آپ کا انتظار شروع کر دیتی میرا دل کرتا تھا آپ فوراً میرے پاس پہنچ جائیں لیکن جیسے ہی آپ گھر میں داخل ہوتے میں دل میں خود سے کہتی یہ کیوں گھر آ گیا ہے، میں آپ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔“ محل نے ہاتھ اٹھا کر سلمان کی بات کاٹ دی۔

وہ بڑے غور سے سن رہا تھا۔

”ایسا کب سے تمہارے ساتھ چل رہا ہے؟“

سلمان نے کچھ سوچتے اور ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے پوچھا۔

”کافی عرصے سے چل رہا ہے لیکن میں نے نوٹ کیا ہے کہ جب سے فریال آپ نے ہمارے گھر زیادہ آنا جانا شروع کیا اس کے بعد سے ہی آغاز کیا، پہلے تو صرف مجھے آپ سے بیزاری اور بلا جواز نفرت تھی۔ لیکن ابھی جب میں پاپا کے گھر ایک ویک رہنے کے بعد یہاں واپس آئی تو آپ کی شکل میں ایک بھیڑیا نظر آیا مجھے، یقین کریں میں بری طرح ڈر گئی تھی، حالانکہ پاپا کے گھر سے آتے ہوئے میں پورا راستہ آپ کے بارے میں یہی سوچتی آئی کہ میں آپ کے ساتھ

کچھ اچھا نہیں کر رہی۔ آپ سے سوری کروں گی۔ لیکن، لیکن پتا نہیں پھر کیا ہو گیا۔“

وہ بے بسی سے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

”اچھا یاد کرو تم نے یہاں کسی کو کبھی اپنے ذاتی استعمال کی کوئی چیز دی؟“ سلمان کا لہجہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”ہاں فریال آپ کی کو اپنا ایک سوٹ دیا تھا پھر دو تین بار انہوں نے کہا کہ میرے پاس کہیں آنے جانے کے لیے کوئی اچھے سینڈلز نہیں ہیں تو وہ انہیں دیے تھے، لیکن آپ یہ اتنے عجیب سے سوال کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ ابھن کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔

”بعد میں سب پتا چل جائے گا تمہیں، اپنی ویز تم نے اس کے علاوہ کوئی اور چیز دی انہیں؟ یا تمہیں لگا ہو کہ گھر سے کچھ غائب ہے؟“ سلمان پوچھنے کے بعد اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں کش کش کے آثار نمایاں تھے۔

”مجھے ٹھیک سے یاد نہیں لیکن ایک بار ہاتھ روم سے آپ کی سفید بنیان غائب ہو گئی تھی، جس پر آپ نے مجھے تھوڑا ڈانٹا بھی تھا۔“ محل کی یادداشت میں وہ منظر تازہ تھا۔

”اچھا اس کے علاوہ کچھ اور؟“ پتا نہیں اس کے سوالوں کا کیا مقصد تھا وہ کیا جانا چاہتا تھا محل لاعلم تھی۔

”مجھے آپ کی باتوں کی سمجھ نہیں آرہی۔ اس نے بے بسی سے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسالی۔

”تم اپنی فریال آپ کی پارر بھی تو جانتی تھیں.....“ سلمان کی آواز اس بار آہستہ تھی۔

”ہاں ایک بار ہی گئی تھی۔ پھر آپ نے منع کر دیا تھا۔“ سارا واقعہ محل کو جزئیات کے ساتھ یاد تھا۔

”تم نے وہاں بال کٹوائے تھے ناں اپنے؟“

سلمان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”ہاں وہ فریال آپ کی چھوڑ ہی نہیں رہی تھیں اور پھر اس کے بعد مجھے ان سے کوئی سروں لینی ہوتی تو میں یہیں گھر پر ہی انہیں بلوالیتی، مینی کیور پیڈی کیور کافی

اپنی پیاری باجی کی یاد میں

بلند سمی ایک ہستی جو آسمان کی طرح
نہیں تھی ماں مگر تھی وہ میری ماں کی طرح

ہم بہن، بھائیوں کو دی محبتیں کتنی
سروں پہ تھی ہمارے ایک سائباں کی طرح

درمیاں تھی ہمارے تو وہ اک حقیقت تھی
پچھڑ گئی تو وہ پچھڑی کسی گماں کی طرح

تھی پہلے ذات اس کی باعث خوشی کتنی
لبوں پہ رہتی ہے اب آہ و فغاں کی طرح

میں روجی اس کی بخشش کی دعائیں مانگتی ہوں
میرا رب کر دے قبر اس کی گلستاں کی طرح
کاوش: روجی صبا، کراچی

باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ اس نے اوپر فریال
کی گیلری کی طرف نظر ڈالی جہاں وہ بازو آگے کی
طرف جھکائے شکست خوردہ زخمی نگاہوں سے گاڑی کا
دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے سلمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ
آج بھی اسے اس بلڈنگ میں آئے اول روز کی طرح
اور اب جاتے ہوئے بھی ناقابل رسائی دکھائی دے رہا
تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی چھلک آئی، اسے ابھی سمجھ
آئی تھی کہ دیواروں پر چھپے بنگالی باباؤں کے اشتہار
میں وہ جو محبوب کو قدموں میں لانے کا دعویٰ کرتے
دکھائی دیتے ہیں سچا نہیں ہوتا اور نہ ہی تعویز پرانے
قبرستان میں دبا کر کسی کا روٹی کا پتلا بنا کر اس میں
سویاں چھو کر آپ ہمیشہ اپنے گندے مقاصد میں
کامیاب ہو سکتے ہیں۔ شر کے مقابلے میں ایک خیر کی
طاقت بھی تو ہوتی ہے اور جب انسان سچے دل سے شر
سے، حسد کرنے والوں سے، بری نظر سے اللہ کی پناہ
مانگتا ہے تو اسے پناہ مل ہی جاتی ہے۔ لیکن ان برے
ماہنامہ پاکیزہ۔ ستمبر 2022ء (59)

اچھا کرتی ہیں وہ۔“ نکل صاف دلی سے بتا رہی تھی۔
”اچھا یاد کرو تم اپنے کئے ناخن خود ڈسٹ بن
میں پھینکتی تھی؟“

”نہیں“ میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا بلکہ فریال آپلی
خود ہی سب کچھ سیٹ کر ایک شاپر میں ڈالتی تھیں۔
اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

سلمان اس کا جواب سننے کے بعد کچھ دیر کے
لیے بالکل خاموش ہو گیا۔

”اچھا تمہیں ایک خوشخبری سنائی تھی۔“ کچھ
توقف کے بعد وہ بولا۔

”جلدی بتائیں ماں رک کیوں گئے؟“ اس نے
سلمان کا کندھا ہلایا۔ تو وہ چونکا۔

”ہاں بس یہ سمجھ لو کہ ہماری آزمائش کے دن تمام
ہو گئے ہیں، میں نے اپنے نئے پارٹنر کے ساتھ مل کر
کام کرنا شروع کر دیا ہے اور رشید خان کا آدھے سے
زیادہ قرضہ بھی اتر گیا ہے، اللہ نے چاہا تو پانچ سے چھ
ماہ کے اندر میں اس کے قرضے کے چنگل سے نکل
جاؤں گا۔ اور اسی ہفتے ہم یہ گھر بھی چھوڑ رہے ہیں،
میں نے دوسری جگہ ایڈوائس اور تین ماہ کا کرایہ دے
دیا ہے۔“ سلمان نے تفصیل اسے بتائی۔

”اللہ تیرا شکر، ورنہ میں تو مایوس ہونے لگی تھی،
مجھے لگتا تھا یہ ہماری سزا ہے اور بہت لمبی ہے۔“ نکل کی
آنکھوں میں نمی چھلک آئی تھی۔

”نہیں یہ سزا نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں آزمائش
ہے کیونکہ یہ سب نہ ہوتا تو میں شاید اللہ سے آج اتنا
قریب بھی نہ ہوتا اور اپنے سے قریبی رشتوں کی حقیقت
ساری عمر اسرار کے پردے میں ہی اوجھل رہتی لیکن
ایک بات کا دھیان رکھنا، جب تک ہم یہاں سے چلے
نہیں جاتے تم نے کسی کو ایک لفظ بھی نہیں بتانا۔“
سلمان کے لہجے میں سختی تھی۔ میکا کی انداز میں اس کا سر
خود بہ خود ہلاتا تھا۔

☆☆☆

گھر کا سارا سامان لوڈ ہو کر پہلے ہی جا چکا تھا۔
اب نکل سلمان کے ساتھ بلڈنگ کے گیٹ سے نکل کر

لوگوں کو کسی کی ہنستی ہنستی زندگی تباہ کرنے کی آرزو میں کبھی دلی سکون نہیں ملتا۔

فریال کا دل پہلے دن سے ہی سلمان پر آ گیا تھا وہ ہو ہو اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا۔ لیکن یہ شہزادہ کسی اور شہزادی کا تھا اور وہ اس کا مالک بننے کا خواب سچا کرنا چاہتی تھی..... روپی ہاجی کے پارلر میں بھانت، بھانت کی عورتیں آتی تھیں وہیں اس کی ملاقات آنٹی فوزیہ سے ڈیڑھ سال پہلے ہوئی تھی، اس کی طرح وہ بھی لڑکے لڑکیوں کے رشتے کرواتی تھیں، دونوں میں دوستی کا سفر دنوں میں طے ہوا، فوزیہ آنٹی نے اسے اپنے غیر نصابی دھندوں کا بھی بڑی تفصیل سے بتایا تھا تب ایک نازک لمحے کی زد میں اس نے ان پر اپنے دل کا راز کھولا تھا، اور وہ اسے اپنے جاننے والے ایک عامل کے پاس لے گئی تھیں۔ لیکن ہوا کچھ بھی نہیں سلمان کی زیر نگاہوں نے پہچان لیا تھا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے، اس کے بعد اللہ کے حضور جھک کر وہ سجدوں میں گڑ گڑایا، سورہ بقرہ کی تلاوت پابندی سے کرنی شروع کر دی ساتھ فجر اور عشا کی نماز کے بعد منزل پڑھنے کا باقاعدہ اہتمام کیا، تو ذہن پر چھائے اندھیرے کی حد تک چھتے محسوس ہوئے۔

دوسری طرف عازرہ بھابی کا حسد بھی اس پر کھل چکا تھا۔ باتوں، باتوں میں وہ اکثر نخل اور اس کی انڈر اسٹینڈنگ پر طنز کر جاتیں پھر نخل کے پہننے کے کپڑے انہوں نے بڑی صفائی سے غائب کیے، وہ سلمان اور نخل کی محبت سے خار کھانے لگی تھیں دوسری طرف سلمان نے اپنا ذاتی کاروبار بھی شروع کر دیا تھا اور اس کی آنے والی خوشحالی کے ثمرات دکھائی دینا بھی شروع ہو گئے تھے۔ بختیار گردیزی نخل کی سادہ طبیعت اور صاف دل فطرت کی وجہ سے اسے بہت پیار، عزت اور مان دینے لگے تھے۔ حالانکہ وہ یعنی عازرہ اور فاطمہ بھابی کی طرح ان کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہتی تھی، پھر بھی اٹھتے بیٹھتے اس کے گمن گاتے تھے، چھوٹی سے چھوٹی بات اور کام میں بھی اس سے مشورہ لیتے، اور یہ بات عازرہ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ پہلے پہل

اس نے فاطمہ بھابی کو اپنا ہموار ہانا چاہا لیکن وہ سیاست سے چال چلتی تھیں بڑی صفائی سے اپنا دامن بچا لیں، لیکن عازرہ اپنے حسد پر قابو نہیں پا رہی تھی، نخل یہاں آتی کھاتی پیتی چلتی پھرتی بختیار گردیزی سے اس کی دوستانہ بحث چلتی، اور عازرہ کا دل چاہتا اسے جلا کر بھسم کر دے۔ وہ اسے سچ سچ کا تو بھسم نہیں کر سکی لیکن اپنے دلی حسد سے اس نے خوب کام لیا، اس کی بری نظر سلمان کے چلتے پھلتے پھولتے کاروبار کو کھا گئی۔ پھر اس کی ایک اور خواہش پوری ہوئی سلمان نے اپنا پلاٹ فروخت کر دیا پھر وہ جس گھر میں رہ رہے تھے وہ بھی دونوں میاں بیوی نے چھوڑ دیا، ادھر بختیار گردیزی بھی دل کے دورے سے جاں بحق ہو گئے۔ اسے دلی خوشی نصیب ہوئی، اب کم سے کم نخل کے گمن گانے والا تو نہیں رہا تھا، اب اس کی ایک آخری خواہش باقی تھی کہ سلمان، اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ لیکن ضروری نہیں جو آپ چاہیں دیا ہی ہو، سلمان نے ان کے حسد سے بچنے کے خود کو ایک حفاظتی حصار میں بند کر لیا تھا، جادو کا بد نظری شر کا علاج تو اللہ نے بتا دیا تھا، لیکن حسد کا کوئی علاج نہیں، اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو اللہ نے قرآن کی آخری دو سورتوں میں بیان کیا، حسد سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اور سلمان اسی پر کار بند تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشتے کسی صورت نہیں توڑے جاسکتے، لیکن اپنی طرف سے احتیاط تو برتی جاسکتی ہے اور یہی بات اس نے نخل کو بھی سمجھائی تھی۔

☆☆☆

وہ دیوار سے ٹیک لگائے لٹے مسافر کی طرح بیٹھی تھی، بچے کب کے سوچکے تھے، وہ آج پارلر سے بھی جلدی گھر آگئی تھی، اسے اپنا آپ اس بیمار کی طرح لگ رہا تھا جو صحرا میں ننگے پاؤں چلتا جا رہا ہو۔ اس نے نخل کا زیور، کپڑے اور شوہر دیکھ کر اس جیسی زندگی جینے کی خواہش کی تھی اور اسے اچھے سے اس کا ادراک ہو گیا تھا کہ وہ نخل نہیں ہے اس لیے اسے سلمان نہیں مل سکتا۔ سہیل گھر میں داخل ہوا تو اسے اس طرح بیٹھے

تپاک سے اسے آخری بار ملی اور جاتے، جاتے ایک بار
مڑ کر دکھ اور رنج سے ادھ موکی ہوئی فریال کو دیکھا۔
”ایک کام کی بات بتاتی چلوں۔“ محل ایک جملہ
بول کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”سب کو اپنی مرضی کا نہیں ملتا اور یہی صورت
حال جیون سانھی کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے،
اس لیے جو ملا ہے ناں اسی کو ٹھونک بجا کر اپنی مرضی کا
کر لیں اور ہاں سہیل بھائی کو کہیے گا کہ اس بار جب سر
کے بال کٹوا میں ناں تو تھوڑے چھوٹے رہیں۔“ پھر
مطمئن ہنسی لبوں پر بکھیرتی وہ ان کی دہلیز پار کر گئی۔

☆☆☆

سلمان اور محل دونوں اپنے نئے گھر کی جانب گاڑی
میں رواں دواں تھے، اچانک ہی محل کو کچھ یاد آیا۔
”سلمان..... ذرا بات سنیں، آپ نے اپنی فیملی
میں نئے گھر کا بتایا کہ ہم شفٹ کر رہے ہیں؟“ ڈرائیونگ
کرتے سلمان کو اس نے سوالیہ نگاہوں سے گھورا۔
”نہیں! اس نے مختصر جواب دیا۔“

”لیکن کیوں یہ بھی کوئی بات ہوئی بعد میں جب
سب کو پتا چلے گا تو خواہ مخواہ ہی دل برے ہوں گے۔“
محل نے اعتراض کیا تو سلمان نے آسودہ سانس لے کر
اس کی طرف دیکھا۔

”بعد میں خود ہی سب کو پتا چل جائے گا ضروری
نہیں کہ ہر ایک بات ہر ایک کو بتانی جائے۔ اپنی
خوشیاں، کامیابیاں انہی کے ساتھ بانٹنی چاہئیں جو ہم
سے سچ محبت کرتے ہوں، اور جو ہمارے دل سے
خیر خواہ ہوں۔ ورنہ یہ دنیا اور اس میں رہنے والے
لوگ خوب صورت چیزوں، انسانوں اور مخلص جذبوں
تک کو تباہ کر دیتے ہیں۔“ سلمان نے مسکرا کر بولتے
ہوئے اس کی طرف دیکھا اور گاڑی کی اسپینڈ بڑھا
دی۔ محل نے استحقاق بھری محبت کی نگاہ اپنے شریک
سفر پر ڈالی اور پھر اپنی نشست کی پشت پر ٹیک لگا کر
آنکھیں موند لیں۔ اس کے دل و دماغ سے تمام تر
اندھیرا چھٹ چکا تھا۔

(ختم شد)

ماہنامہ پاکیزہ۔ ستمبر 2022ء (61)

دیکھ کر پریشان ہو گیا۔
”کیا ہوا ہے تمہیں؟ کہیں طبیعت تو خراب نہیں؟“
وہ بہت ہمدردی اور محبت سے اس کی سرخ پڑتی آنکھوں
میں جھانک رہا تھا۔

”نہیں بالکل بھی نہیں، بس تمہارے انتظار نے
تمہکا دیا ہے۔“ فریال نے اداسی میں ڈوبی مسکراہٹ کو
جوابی محبت میں بدلا اور سہیل کا ہاتھ آخری سہارے کی
طرح تھام لیا۔

”آؤ میرے ساتھ۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر
اسے کمرے کے ایک کونے میں رکھی کپڑوں کی پرانی
الماری کی طرف لے گئی۔

”خیر تو ہے ناں آج بڑی محبت سے بات کر رہی
ہو۔“ سہیل اس کی کایا پلٹ پر خوش ہونے کے ساتھ
حیران بھی تھا۔

”تمہارے ساتھ نہیں تو پھر کس کے ساتھ پیار
سے بات کروں اور دیکھو یہ محل جاتے ہوئے دے گئی
تھی، بالکل نئے ہیں بتا رہی تھی کہ سلمان نے ایک بار
بھی نہیں پہنے۔“

فریال کے ہاتھوں میں دوئی شرٹس اور پینٹس
تھیں۔ اس نے باری، باری سہیل کے ساتھ لگا کر
دیکھیں۔

”دیکھو میرا بڑا دل کر رہا ہے تم یہ پہن کر مجھے
دکھاؤ، پہنو گے ناں؟“ وہ بڑی محبت اور آس سے اسے
دیکھ رہی تھی۔

”تمہارے لیے تو میں زہر بھی پی سکتا ہوں کیا
بات کرتی ہو۔“ سہیل نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ
سے ایک ٹی شرٹ اٹھائی اور ایک طرف چلا گیا۔ فریال
الماری کی طرف پشت کر کے اپنے آنسو صاف کرنے
لگی، محل جانے سے پہلے اسے ملنے آئی تھی، اور تب ہی
اس نے ایک شاپر میں پیک یہ والی شرٹس اور پینٹس
اسے دی تھیں۔

”اچھا ہم یہاں سے اپنے نئے ٹھکانے پر جا رہے
ہیں، جانے سے پہلے سوچا آپ سے مل لوں اور ایک تحفہ
بھی دے دوں۔“ فریال نے اس کے چہرے اور
آنکھوں سے کچھ کھوجنا چاہا پروہ ساٹ تھا۔ پھر وہ بڑے